بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداًومصلیاً

عکسِ دروں

سلسلۂ مضامین	عنوانِ مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
صدائے حسن	شکرِ نعمت اور اس کے تقاضے	اداریہ	3
حالاتِ حاضرہ	مدارِ دینیہ میں بے تحاشا ویڈیوگرافی	مولانا عبیداللہ قاسمی، دہلی	6
	سیرتِ نبوی کی روشنی میں خارجی پالیسی کی تشکیل نو	مولانا احسن فاروق امینؔی	8
اسلامی زندگی	آفاتِ صبر (اٹھتیسویں قسط)	مولانا سید نور حسین شاہ	12
	اہل علم حضرات......اور موبائل فون کا بے جا استعمال	مولانا حبیب اللہ	15
سلسلہ رمضان	ماہ رمضان......اللہ کا قرب حاصل کرنے کا مہینہ	مفتی محمد اسماعیل نیازؔ	19
	کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟	مفتی محمد فہیم اللہ	24
	تراویح کی فضیلت اور احکام	= = = = =	32
تحقیقی مضامین	نبی کریم ﷺ بطورِ سپہ سالار (تیسری قسط)	= = = = =	36
بیاناتِ جمعہ	آپ ﷺ کے حقوق اور ایک گستاخ عیسائی کا واقعہ	مفتی غلام اللہ صاحب	43
	منافق کی نشانیاں	======	48
دارالافتاء	سنتِ مؤکدہ کو شروع کرنے کے بعد توڑنا	مفتی حمید اللہ جان	53

زرِسالانہ اندرون ملک: 300 روپے۔ زرِسالانہ بیرون ملک: 20 ڈالر

ای میل ایڈریس: Muftifahim@gmail.com // atifshah336@gmail.com

ویب ایڈریس: www.alhasan.org

اکاؤنٹ نمبر: میزان بینک: 8101.0100843213 // MCB: 0284.1002564

﴿صدائے حسن﴾

شکرِ نعمت اور اس کے تقاضے

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شب و روز اس کی مخلوق پر موسلا دار بارش کی طرح برستی رہتی ہیں، جن کو شمار کرنا کسی کی بس کی بات نہیں اور ویسے تو ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہوتا ہے، لیکن نعمت جتنی بڑی ہوتی ہے، اتنی ہی اس کا شکر اور قدر دانی بھی بہت بڑی ہوتی ہے۔ نیز جب نعمتوں کی ناشکری ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو چھین لیتے ہیں۔ یقیناً وطنِ عزیز پاکستان بھی اس دھرتی پر اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، اس کا شکر اور قدر دانی بھی اس ملک کے باشندوں پر لازم ہے۔ نیز ہر نعمت کو اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال کرنا اور اس کے مقتضیات پر عمل پیرا ہونا ہی اس کا شکر اور قدر دانی سمجھی جاتی ہے۔

قارئینِ کرام! پاکستان کا شکر اور اس کی قدر دانی یہ ہے کہ اس ملک میں عدل و انصاف پر مبنی قانون کو بالادستی حاصل ہو، قانون کے سامنے سب برابر ہوں۔ امیر و غریب اور حاکم و محکوم سب کے حقوق اور عزت و آبرو محفوظ ہوں۔ غرض! جس مقصد کے لیے یہ ملک بنا تھا، اسی مقصد کو مدنظر رکھ کر آگے بڑھنا اس عظیم نعمتِ خداوندی کی قدر دانی ہے۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہم اس نعمت کی ناشکری اور ناقدری کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے تو ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی ہے، مالی و جانی تحفظ نایاب ہو چکا ہے، امن و امان کی نام و نشان دور دور تک نظر نہیں آتا، عدل و انصاف کا جنازہ اٹھ چکا ہے، ظلم و جبر کا دور دورا ہے، ظالم کو کوئی روکنے والا نہیں، مظلوم کا کوئی پرسانِ حال نہیں، مہنگائی نے غریب لوگوں کا جینا حرام کر دیا ہے۔ حکمران طبقے اور اشرافیہ نے اپنی عیاشیوں کی خاطر لاکھوں کی تنخواہیں، مراعات اور پروٹوکولز لے کر قومی خزانے کو کنگال کر کے رکھ دیا ہے، جس کے نتیجے میں ہر دورِ حکومت میں ہم ملک چلانے کے لیے آئی ایم ایف کے دروازے پر دستک دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اور بالآخر سود پر مبنی بھاری قرضے لے کر اس کا بوجھ مہنگائی تلے دبے غریب عوام پر ڈال دیتے ہیں۔ یقیناً یہ اس ملک کے منشور و دستور کے ساتھ غداری ہے۔

ناظرین! خلفاء راشدین کی زندگی ہمارے سامنے ہے کہ انہوں نے ملکی نظام کو کیسے چلایا، عوام کو تحفظ

اور چین وراحت فراہم کرنے کی خاطر خود کتنی سختیاں برداشت کیں؟ان کی زندگی میں ہمارے لیے ایک مثالی نمونہ موجود ہے۔آپ ﷺ کے صحابہ کرام عیش وتنعم کی زندگی نہیں گزارتے تھے۔حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو نصیحت فرمائی کہ معاذ! آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچتے رہنا،اللہ تعالیٰ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔(مسند احمد)

نیز حضرت عمرؓ نے حکمرانی کرنے اور نظام سلطنت چلانے کا بے مثال نمونہ پیش کیا ہے،ایک حاکم کی کیا فکر ہونی چاہیے اور رعایا کی خبر گیری کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے،اس کو بہتر طور پر آپ نے پیش کیا اور بتایا کہ جس کے دل میں خوفِ خدا اور آخرت کا احساس ہوتا ہے تو پھر وہ تخت اور حکومت کے ملنے کے بعد اپنے عوام کی فکر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔چنانچہ حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ آپ راتوں کو گلیوں میں گشت کرتے،جب لوگ آرام وراحت کے لیے گھروں میں چلے جاتے تو آپ حالات سے آگہی حاصل کرنے اور پریشان حالوں کی پریشانیوں سے واقف ہونے کے لیے باضابطہ چکر لگاتے اور جو کوئی مصیبت زدہ ملتا،پریشان حال نظر آتا،مسافر یا اجنبی غم کا شکار دکھائی دیتا تو خلیفہ وقت خاموشی سے کام انجام دے جاتے اور احساس تک ہونے نہیں دیتے کہ یہ وہی عمر ہے،جس کی عظمت کے ڈنکے عالم میں بج رہے ہیں۔رات میں گشت کے دوران آپ نے بے شمار پریشانوں کی امداد کی اور آپ کا مقصد بھی یہی تھا کہ تنہائیوں میں نا جانے کتنے لوگ پریشانی سے دوچار رہوں گے تو ان کے کام آیا جائے،اس سلسلہ میں بہت واقعات ہیں جس سے آپ کی ہمدردی اور فکرمندی اور رعایا کی خبر گیری کے جذبات نمایاں نظر آتے ہیں۔چنانچہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں چکر لگارہے تھے،تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت نے ایک جگہ رات گزارنے کے لیے پڑاؤ ڈال دیا ہے۔حضرت عمرؓ نے اپنے دل میں یہ خدشہ محسوس کیا کہ اگر یہ رات کو سوگئے تو ایسا نہ ہو کہ چور اِن کے مال چوری کرکے لے جائیں۔چنانچہ واپس آکر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو پورے منظر سے آگاہ کیا اور اس کو اپنے ساتھ لے کر اس جماعت کی نگرانی کے لیے پوری رات چوکیداری کرتے رہے۔(تنبیہ الغافلین)

22 کروڑ مربع میل پر اس کی حکمرانی تھی،لیکن سادگی،تواضع وانکساری اورعدل وانصاف کا ایسا تصور پیش کیا،جو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔

آج ہمارے ملک پاکستان کے حکمرانوں میں خدا کا خوف اور رعایا کی ہمدردی نہیں،نہ ہی یہاں

قانون کی بالادستی ہے، ورنہ جو حالات فی الحال دیکھنے کو ملتے ہیں، یہ مناظر نہ دیکھے جاتے۔اب یہاں دو باتیں ہیں:(۱)ایسا کیوں ہورہاہے؟(۲)اس کا حل کیا ہوگا؟

جہاں تک تعلق ہے پہلی بات کا تو وجہ اس کی ظاہر ہے کہ اس کا سبب ہم خود ہیں، کیونکہ جس طرح غزوۂ اُحد کے موقع پر چند صحابہ کرامؓ نے اجتہادی غلطی کی اور فتح شکست میں تبدیل ہوگئی، تو اس وقت صحابہ کرامؓ کہنے لگے کہ ہم پر یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟ تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا:﴿**قل هو من عند انفسكم**﴾ (کہہ دو کہ یہ خود تمہاری طرف سے آئی ہے)(آل عمران: ۱۲۵) تو ناظرین! یہ موجودہ حالات ہمارے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا ہے تو بجائے دوسروں کی طرف اشارہ کرنے کے خود کو موردالزام ٹھہرانا چاہیے۔

رہ گئی دوسری بات (کہ اس کا حل کیا ہوگا؟) تو معزز قارئین !اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتی، جب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدلے۔نیز دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿**ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة**﴾ (اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو)(البقرۃ:۱۹۵)

پس مذکورہ نصوص سے معلوم ہوا کہ جن مشکلات اور ناگفتہ بہ حالات سے ہم دوچار ہیں، ان سے نکلنے کے لیے اور عدل وانصاف پر مبنی حکمرانی اور طرز زندگی کے حصول کے لیے ہمیں اپنے کردار و گفتار پر نظر رکھ کر اپنی حالت بدلنی ہوگی اور ساتھ ساتھ اپنی غلطیوں اور لغزشوں کے بارے میں توبہ واستغفار کا دامن تھامنا ہوگا۔نیز اپنے تمام مفادات کو پس پشت ڈال کر خالص اپنے ملک وملت کی بقا اور سالمیت کی خاطر کوشش کرنی ہوگی۔چنانچہ اسی تناظر میں اپنے علما پر اعتماد کر کے ان سے رہنمائی حاصل کریں اور اسی کے مطابق اپنی معاشرتی زندگی میں تبدیلی لائیں نیز آئندہ انتخابات میں ایسے لوگوں کو کامیاب کرائیں، جن کے دل میں خدا کا خوف ہو اور جن کی زندگی ہماری نظروں کے سامنے ہو۔موسمی اور بیرونِ ملک سے درآمد شدہ وقتی لیڈروں کے بجائے ان لوگوں کا انتخاب کریں جو ہماری غمی خوشی میں ہمارے ساتھ شریک ہوتے ہیں اور ان کا دامن چوری اور خیانت سے پاک ہو۔ان شاء اللہ اگر ہم مستقبل میں اپنی رائے اور ووٹ کا صحیح استعمال کریں گے تو وطن عزیز زبوں حالی سے نکل کر ایک آزاد، خودمختار اور خوشحال ملک بنے گا اور یقیناً یہی اس نعمت عظمیٰ (پاکستان) کی قدردانی بھی ہے۔

﴿ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ﴾

﴿حالاتِ حاضرہ﴾

مدارسِ دینیہ میں بے تحاشا ویڈیو گرافی

محمد عبیداللہ قاسمی، دہلی

آج ویڈیو گرافی اور فوٹو گرافری کا بازار دینی اداروں اور دینی شخصیات کے ہاں بھی خوب گرم ہے۔ علما دھڑلے سے ویڈیو گرافی میں مصروف ہیں۔معمولی سے معمولی تقریب ہو، حتی کہ کہیں چلنا پھرنا، کھانا پینا، گاڑی پر چڑھنا اُترنا؛ ہر موقعے کی ویڈیو گرافی لے کر اسے دور دور تک پھیلانے کا معمول بن چکا ہے۔ملک کے مؤقر دینی ادارے تو بدستور ایسی ویڈیو گرافی اور فوٹو گرافی کے ناجائز ہونے کے فتوے صادر کر رہے ہیں، مگر علما ان فتوؤں کا پاس لحاظ نہیں کر رہے ہیں۔جن مفتیانِ کرام نے ڈیجیٹل ویڈیو گرافی اور فوٹو کی اجازت بھی دی ہے تو وہ اجازت فی نفسہ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ اس میں غلو (حد سے تجاوز) کے اعتبار سے اور مقدسات کی دھجیاں اڑانے کے اعتبار سے ہے۔ملوث لوگ مسجدوں میں عبادات اور نماز کی تصویریں لے رہے ہیں، کوئی سجدے میں ہے تو اس کی تصویریں، کوئی حج وعمرہ کے اعمال کی تصویریں لے رہے ہیں۔ان تصویروں کے بغیر مضطرب و بے چین رہنا محض تصویری لت اور Photo Addiction کی علامت ہے جو ظاہر ہے کہ عبادات کی نمائش پر مشتمل ہے۔

آج دینی اداروں میں بھی یہ وبا زوروں پر ہے۔دینی مدارس میں کم عمر غیر پختہ ذہن والے طلبہ اب کچھ آگے بڑھ کر انسٹا گرام، فیس بک اور دیگر سائٹس پر تسلسل کے ساتھ فوٹو اور ویڈیو شیئر کر رہے ہیں۔کچھ طلبا اور علماء حضرات باقاعدہ رنگ و روغن کے ساتھ ویڈیوز اپ لوڈ کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے اپنا پیشہ ہی بنالیا ہے اور وہ تعلیم کا خون کر رہے ہیں، اپنے والدین اور چندہ دینے والے غریب مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔بخاری شریف کو ہاتھ میں لے کر طرح طرح کے پوز، مسجد جیسی مقدس جگہ اور شعار اللہ کے اندر ویڈیوز، دستار بندی کے ویڈیوز، درسگاہوں کے ویڈیوز، مطبخ و رہائشی کمروں کے ویڈیوز اور فوٹو؛ گویا کہ اب شاید ہی کوئی جگہ بچی ہے جس کے ویڈیوز اپ لوڈ نہ کیے جارہے ہوں۔

کم عمر طلبہ جو 15 تا 20 سال کی عمر کے ہیں، اگر یہ حرکتیں کر رہے ہیں تو ہمیں سوچنا ہوگا کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ بڑی عمر کے لوگ نہیں ہیں؟ اگر 60-50-40 سال کے علما کو بغیر فوٹو اور ویڈیوز کے چین نہ ملتا ہو تو یہ کم عمر طلبہ کیونکر گریز کرینگے؟ ظاہر ہے کہ بچے تو بڑوں سے کچھ آگے ہی دوڑیں گے۔ اگر ہماری تقریبات اور شب روز بغیر ویڈیوز کے پورے نہیں ہوں گے تو ظاہر ہے کہ ان آلات اور کیمروں کو استعمال کرتے ہوئے یہ طلبہ اپنی من پسند چیزوں کو شیئر کریں گے، لہذا اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ دینی اداروں کے طلبہ اس سے باز رہیں تو ہمیں بھی باز رہنا ہوگا۔ اگر ہم خود گڑ کھائیں اور بچوں کو اس سے بچنے کی تلقین کریں تو یہ نا قابلِ عمل بات ہوگی۔

افسوس کہ ہمارے ملک میں ویڈیو گرافی اور فوٹو گرافی میں حد سے زیادہ آزادی نظر آتی ہے، جبکہ مغربی ممالک میں ایسا نہیں ہے۔ یہاں بازار، اسکول کالج میں جو چاہے، جس کی چاہے تصویر کھینچ لے اور اجازت بھی نہ لے، مگر مغرب میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں بغیر اجازت کسی کی تصویر لینا غیر اخلاقی چیز تصور کی جاتی ہے۔ دوسروں کی تصویر کھینچنے میں وہاں اجازت ضروری ہے، مگر یہاں تو اگر کسی تقریب یا پروگرام میں اجازت نہ دی جائے تو الٹا مطعون کرتے ہیں۔ صورتحال بھیانک بنتی جارہی ہے اور اس میں دنیاداروں کے ساتھ ساتھ بکثرت علما بھی شریک نظر آرہے ہیں۔

مدارس کی بگڑتی صورتحال پر قابو پانے کے لیے اور طلبہ کو بربادی سے بچانے کے لیے علما کو سر جوڑ کر بیٹھنے اور بلا تاخیر لائحۂ عمل اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو ایک طرف تو گناہ سے نفرت کا ایمانی جذبہ ختم ہوجائے گا اور دوسری طرف ہمارے دینی مدارس سے باصلاحیت علما تیار نہیں ہوں گے، بلکہ کیمرے، موبائل، انسٹگرام، ٹویٹر اور فیس بک وغیرہ کے ماہرین ہی تیار ہوکر نکلیں گے۔

ملفوظات امام اعظمؒ :

فرمایا: جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنا چاہتا ہو تو اُسے دنیا کی تکلیفوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے اور فرمایا: جسے اپنی جان عزیز ہوتی ہے، اس پر دنیا اور دنیا کی مشقتیں آسان ہوجاتی ہیں۔ (ائمہ اربعہ کے دربار میں: ص:۲۶)

﴿حالاتِ حاضرہ﴾

سیرتِ نبوی کی روشنی میں خارجی پالیسی کی تشکیلِ نو

احسن فاروق امینی

مدرس: مدرسہ عثمان بن عفانؓ مندنی (چارسدہ)

سن 2 ہجری میں جہاں مسلمانوں نے کفار مکہ کو شکست دی، تو دوسری جانب اہل کتاب یعنی روم والوں نے آتش پرست ایرانیوں کو شکست دی، جیسے قرآن میں آیا ہے: ﴿غُلِبَتِ الرُّومُ﴾ (الروم:۲) اور فارس کے باج گزار علاقے مدینہ کے قرب وجوار میں تھے، چونکہ ایرانیوں کی گرفت اپنے مقبوضہ علاقے پر کمزور ہوگئی تھی، اس لیے مسلمانوں کے لیے بہترین موقع تھا کہ ان علاقوں کو اپنے زیر اثر لے آتے، لیکن یہاں مسلمان اہل مکہ سے پچھلے چھ سالوں سے برسرِ پیکار تھے، اس لیے ضروری تھا کہ اہل مکہ سے صلح کر لی جائے۔ مدینہ شمال اور جنوب دونوں اطراف سے دشمن کے نرغے میں تھا۔ شمال میں خیبر اور غطفان تھے اور جنوب میں مکہ واقع تھا۔ اگر مسلمان خیبر اور غطفان پر حملہ کرتے تو جنوب میں 12 منزل پر واقع اہل مکہ، مدینہ پر حملے کرتے اور اگر مکہ پر حملہ کرتے تو شمال میں پانچ منزل پر واقع اہل خیبر اور غطفان مدینہ پر حملہ کرتے، اس لیے مسلمانوں کے لیے دونوں اطراف میں لڑنا مشکل تھا، لہٰذا ضرورت تھی کہ ایک طرف کو محفوظ بنالیں اور ہوا بھی ایسا کہ اہل مکہ سے صلح ہونے کے بعد آپ ﷺ نے خیبر اور غطفان پر لشکر کشی کی اور آسانی کے ساتھ ان دشمنوں کو زیر کر لیا۔

منافقینِ مدینہ ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سرگرم رہتے اور جب بھی موقع میسر آتا تو مسلمانوں کے لیے مشکلات پیدا کرتے، ساتھ ساتھ مکہ والوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے آخری حد تک جانے سے گریز نہیں کریں گے۔ اِدھر یہودِ مدینہ بے در ہونے کے بعد مدینہ کے آس پاس آباد ہوئے اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئے اور غطفان وفزارہ سمیت مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف اتحاد کر لیا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ بعض دشمنوں سے صلح کر لی جائے، لہٰذا مسلمانوں نے صلح کے لیے اہل مکہ کا انتخاب کیا، کیونکہ قبائل غطفان وفزارہ لوٹ مار کے عادی تھے، اس لیے ان پر اعتماد

مناسب نہیں تھا، یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اس لیے بے سود تھا کہ وہ اپنی جلاوطنی کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ وفاداری نہیں نبھا سکتے تھے۔ دوسری طرف مہاجرین صحابہ مکہ مکرمہ سے آئے تھے اور وہاں ان کی رشتہ داریاں تھیں، لہٰذا امکان روشن تھا کہ ان سے معاہدہ ہو جائے۔ مکہ میں حال ہی میں قحط گزرا تھا، اسی زمانہ میں آپ ﷺ نے مکہ کے فقرا کے لیے پانچ سو اشرفیاں بھیج دیے تھے اور ساتھ ساتھ ثمامہ کے سردار سے بھی سفارش کی تھی کہ اہل مکہ کو غلہ بھیج دے۔ اہل مکہ کے سردار ابوسفیان کی بیٹی بھی آپ ﷺ کے عقد نکاح میں تھی، اہل مکہ کا اہم تجارتی گزرگاہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں تھا، جس سے انہیں بہت نقصان پہنچ رہا تھا۔ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کے قرب وجوار میں جتنے قبائل تھے، ان کے ساتھ امن معاہدے کر لیے، یوں آپ ﷺ نے اس شاہراہ کو اپنے زیر اثر بنایا، جہاں کفارِ مکہ کا قافلہ گزرتے ہوئے شام جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے مکہ پر براہ راست حملہ کرنے سے پہلے انہیں مالی اعتبار سے کمزور کیا تھا، کیونکہ جب کوئی قوم مالی اعتبار سے غیر مستحکم ہوتی ہے تو پھر اس کے لیے لڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آج صاحبِ لولاک، سیاح افلاک اور شفیع اعظم ﷺ کی یہی حکمتِ عملی اغیار نے مسلمانوں کے خلاف اختیار کر لی ہے۔ عالمی منڈیوں میں مسلمانوں کی کمپنیوں کو جگہ نہیں دی جاتی، انہیں نقصان پہنچانے کے لیے ان کی پوری لابی متحرک رہتی ہے۔

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے سرحدات محفوظ کرنے کے بعد اہل مکہ سے معاہدہ کیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ’’قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آج قریش مجھ سے جو مطالبہ کریں گے، میں اسے قبول کروں گا‘‘۔

آپ ﷺ کی زندگی ہمارے لیے باعثِ تقلید ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة﴾(الأحزاب: ٢١)

یعنی رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ کے لیے بہترین نمونہ ہے، لیکن پھر بھی ہم آپ ﷺ کی سیرت سے نہیں سیکھتے، جس کی وجہ سے ہم روبہ زوال ہوتے جا رہے ہیں۔ کاش! اگر مسلمان ممالک اپنی خارجہ پالیسی آپ ﷺ کی سیرت کی روشنی میں مرتب کریں تو پوری دنیا پر اسلام کا بول بالا ہوگا، ہر سو امن ہی امن ہوگا۔ آج اگر پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی ہر سرحد غیر محفوظ ہے۔ دراصل یہ ہماری خارجہ پالیسی کی ناکامی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد لسانی، جغرافیائی وحدت، علاقائی یا نسلی عصبیت پر نہیں، بلکہ عقیدے اور نظریئے پر رکھی۔ آپ ﷺ نے بلاتفریق رنگ ونسل کی بنیاد پر انسانیت کو اکٹھا کیا۔ آپ ﷺ کے عطا کیے نظام میں کوئی کسی سے بالاتر نہیں اور یہی کائنات کی اولین حقیقت ہے، جس کی بنیاد پر آج بھی بین الاقوامی نظام کو مرتب کیا جاسکتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے عہد میں بین الاقوامی عصبیتوں کو دور کرنے کے لیے بہت سی تدبیریں اختیار فرمائیں، جو بلاشبہ پوری عالمِ انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ ﷺ نے حالتِ جنگ اور امن دونوں کے لیے الگ الگ بین الاقوامی اصول عطا فرمائے اور دین اسلام کی تبلیغ کے لیے بادشاہوں، راجاؤں اور سردارانہ قبائل کے نام خطوط بھی تحریر فرمائے۔ نبی اکرم ﷺ بادشاہانِ وقت کے لیے تحائف بھی بھیجتے اور قبول بھی فرماتے تھے، جو کہ خیر سگالی کا پیغام شمار ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے بادشاہوں کے قاصدوں کا احترام سکھایا اور مسیلمہ کذاب جیسے دشمن اور جھوٹے نبی کے بھیجے ہوئے قاصدوں کو بھی قتل ہونے سے منع فرمادیا۔ آپ ﷺ نے جہاں جاہلیت کی رسموں اور اس وقت کے بین الاقوامی عرف وتعامل کی بہت سی باتوں کو رد فرمایا ہے تو وہاں کچھ باتوں کو کلی یا جزوی طور پر قبول بھی فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے دفاعی اور عسکری معاملات میں دیگر اقوام سے بہت سے معاہدات بھی فرمائے اور جنگی قوانین میں بھی اخلاقیات کی بنیاد پر کئی نئے قوانین متعارف کروائے، جیسے: شب خون نہیں مارا جائے گا، عورتوں، بوڑھوں، بچوں اور نہتے لوگوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، درخت نہیں کاٹے جائیں گے، جانور ہلاک نہیں کیے جائیں گے۔ الغرض بہت سارے معاملات ہیں جو کہ بین الاقوامی سطح پر حضور نبی کریم ﷺ نے رائج فرمائے۔

مکی دور کی 13 سالہ جدوجہد کے نتیجے میں مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست معرض وجود میں آئی، جس میں آپ ﷺ کی مثالی طرزِ حکمرانی نے داخلی وخارجی سطح پر بکھرے یثرب کو دنیا کی بہترین اسلامی فلاحی ریاست ''مدینہ'' میں تبدیل کردیا۔

ریاستِ مدینہ کی پالیسی برائے خارجہ امور، ان آفاقی قواعد وضوابط اور اصولوں پر مبنی تھی، جو کسی بھی منظم اور مہذب ریاست کے ہوسکتے ہیں۔ ریاستِ مدینہ نے خارجہ امور اور دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقاتِ کار کے حوالے سے وہ نظری اور عملی بنیاد فراہم کی، جس سے آگے چل کر مسلم بین الاقوامی قانون وجود میں آیا اور

اس کے اثرات دوسری اقوام پر بھی پڑے۔حضور نبی اکرمﷺ نے اپنے طرزِ حکمرانی اور ریاستِ مدینہ کی خارجہ پالیسی مرتب فرما کر رہتی دنیا تک اسلامی دنیا کو ایک عملی نمونہ عطا فرمایا کہ اسلامی ریاست کی دوسری ریاستوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی۔قرآن مجید میں بھی بین الاقوامی تعلقات کی بنیادی رہنمائی ملتی ہے اور انہی قرآنی اصولوں کے تحت حضور نبی اکرمﷺ نے دیگر ریاستوں کے ساتھ تعلقات استوار فرمائے اور اپنے عمل اور سنت سے قرآن حکیم کے اصولوں کی توضیح وتشریح فرمائی، جیسے: عہد و پیمان کا احترام، دیانتداری، عدل و انصاف، صلح پسندی، رواداری کا قیام، امن کا فروغ، مظلوم کی حمایت وغیرہ۔حضور رسالت مآبﷺ نے انہی قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ریاستِ مدینہ کی خارجہ پالیسی کو مرتب فرمایا، جس میں آج کے مسلم ممالک کے لیے بہترین رہنمائی موجود ہے۔مسلم حکمران قرآن کے ان بنیادی اصولوں اور ریاستِ مدینہ کے ماڈل کو سامنے رکھ کر اپنی خارجہ پالیسی مرتب کر سکتے ہیں۔

ماہنامہ ندائے حسن کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ ''ندائے حسن چارسدہ'' کی اشاعت خالص علمی، تبلیغی اور اصلاحی مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔کوئی اور کاروباری مفاد اس کی اشاعت سے مطلوب نہیں۔چنانچہ مہنگائی کے باوجود 56 صفحات پر مشتمل اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ 30 روپے اور سالانہ خریداری صرف 300 روپے) ہے۔

افادۂ عام کی خاطر ہم ''ماہنامہ ندائے حسن'' کے ذریعے بیش بہا قیمتی مضامین شائع کرتے ہیں، اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم بذریعہ ڈاک یا اکاؤنٹ جامعہ حسن چارسدہ کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ثابت ہوں گی۔

یاد رکھیے! سالانہ قیمت کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے۔لہذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ خریداری کی مدت ختم ہوتے ہی سالانہ قیمت کی ادائیگی کا اہتمام فرمادیا کریں۔ہر ماہ لفافے پر چسپاں پتے کے ساتھ خریداری مدت کے ختم ہونے کی تاریخ بھی دی جاتی ہے، تاکہ یاددہانی ہوسکے۔(ملاحظہ: سالانہ خریداری کی رقم اس ایزی پیسہ اکاؤنٹ کے ذریعے بھی بھجوا سکتے ہیں: 0310-9014616)

﴿اسلامی زندگی﴾

آفاتِ صبر

(اٹھتیسویں قسط)

مولانا سید نور حسین شاہ

صبر وبرداشت کا درجہ :

جن محاسن ، صفات اوراعلیٰ اخلاق کا درجہ دنیا وآخرت میں سب سے زیادہ ہے ،ان میں صبر وبرداشت کا بھی شمار ہے:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّائِمِيْنَ والصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّاللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾(الاحزاب:۳۵)

ترجمہ: بے شک فرمانبردار مرد ہوں یا فرمانبردار عورتیں ،مؤمن مرد ہوں یا مؤمن عورتیں ،عبادت گذار مرد ہوں یا عبادت گزار عورتیں ، سچے مرد ہوں یا سچی عورتیں ،صابر مرد ہوں یا صابر عورتیں ، دل سے جھکنے والے مرد ہوں یا دل سے جھکنے والی عورتیں ،صدقہ کرنے والے مرد ہوں یا صدقہ کرنے والی عورتیں ، روزہ دار مرد ہوں یا روزہ دار عورتیں ،اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد ہوں یا حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں ، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کا مرتبہ بڑی بڑی نیکیوں کے برابر ہے۔اس سے انسان کی پچھلی غلطیاں حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہیں اور دین ودنیا کا بڑا اجر اس کے معاوضہ میں ملتا ہے۔یہی بشارت ایک

اورآیت میں بھی ہے۔چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿ اَلَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ الصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ﴾(آل عمران:١٦، ١٧)

اس آیتِ مبارکہ میں ایک عجیب نکتہ ہے اوروہ یہ کہ اس خوش قسمت جماعت کے اوصاف کا آغاز بھی دُعا سے اور خاتمہ بھی دعا پر ہے اوران دونوں کے درمیان میں ان کے چار اوصاف ذکر کیے ہیں، جن میں سے پہلا درجہ صبر یعنی مشقت سہنے، تکلیف جھیلنے اور پامردی دکھانے کا ہے۔

صبر کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے صفت بیان فرمائی ہے اور بشارت دی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِیۡبَةٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ﴾ (البقرۃ:١٥٦)

ترجمہ: ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

صبر کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بتائی کہ جب انہیں کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اپنی رضا کا اظہار کرتے ہیں۔صبر کرنے والوں کے لیے ایک اجر عظیم یہ بھی ہے کہ رب العالمین ان کی تعریف بیان فرماتا ہے اوران پر رحمت کا نزول فرماتا ہے اور یہی لوگ فی الواقع راہِ ہدایت پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطافرمائے گا:

ارشادِ باری ہے:

﴿ وَجَزٰىهُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّةً وَّحَرِیۡرًا﴾ (الدھر:١٢)

اورانہیں ان کے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔

قرآن کریم کی مختلف آیاتِ مبارکہ پر غور وخوض سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے لیے عظیم الشان انعامات واکرامات کی بارش برسائی ہے۔یعنی معلوم یہ ہوا کہ صبر ایسا عظیم عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی اوراس کی جنت کے حصول کا سبب بنتا ہے۔

کسی شخص کو ایسا عطیہ نہیں دیاگیا جو صبر سے زیادہ بہتر ہو:

”عَنۡ اَبِیۡ سَعِیۡدِ الۡخُدۡرِیِّ ؓ : اَنَّ نَاسًا مِّنَ الۡاَنۡصَارِ سَاَلُوۡا رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَعۡطَاهُمۡ

حَتیٰ نَفِدَ مَا عِنْدَهُ فَقَالَ : " مَا يَكُنْ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ ".(بخاري،كتاب الزكاة ،باب الاستعفاف عن المسئلة،رقم : ١٤٦٩، صحيح مسلم ،كتاب الزكوٰة ،باب فضل التعفف والصبر، رقم : ١٠٥٤)

ترجمہ:سیدنا ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ(مال) طلب کیا،آپ ﷺ نے انہیں کچھ دیا۔انہوں نے پھر سوال کیا،آپ نے انہیں پھر دیا،حتی کہ آپ کے پاس جو کچھ تھا،ختم ہوگیا۔آپ نے جس وقت ہر چیز جو آپ کے ہاتھ میں تھی خرچ کردی تو ان سے فرمایا:''میرے پاس جو کچھ بھی آتا ہے ،میں وہ تم سے بچا کر نہیں رکھتا اور جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے ،اللہ تعالیٰ اسے بچالیتا ہے۔ جو بے نیازی اختیار کرتا ہے،اللہ تعالیٰ اسے لوگوں سے بے نیاز کردیتا ہے اور جو صبر کا دامن پکڑتا ہے،اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق دے دیتا ہے اور کسی شخص کو ایسا عطیہ نہیں دیا گیا، جو صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر ہو۔

جس نے صبر کیا ،اس کے کیا کہنے !:

" عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِؓ قَالَ : اَيْمُ اللّٰهِ! لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ:اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلَمَنْ اُبْتُلِيَ فَصَبَرَ فَوَاهًا".(سنن أبي داؤد ،كتاب الفتن ،باب في النهي عن السعي في الفتنة:٤٢٦٣)

ترجمہ:سیدنا مقداد بن اسودؓ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم!میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچالیا گیا، نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچالیا گیا، نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچالیا گیا اور جو (فتنوں میں) آزمایا گیا اور اس نے صبر کیا،اس کے کیا ہی کہنے۔

(جاری ہے............)

﴿اسلامی زندگی﴾

اہل علم حضرات......اور موبائل کا بے جا استعمال

مولانا حبیب اللہ

عسکری اور مسلح میدان میں شکست خوردہ مغربی یلغار اور اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں کو جسمانی غلام بنانے میں ناکامی کے بعد نظریاتی میدان میں مقابلہ کرنے اتر چکے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو تہذیبی اور ثقافتی طور پر ذہنی غلام بنانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے ہوئے ہیں، جن میں سے ان کا ایک شیطانی جال موبائیل، انٹرنیٹ، میڈیا اور فیس بک وغیرہ کی شکل میں بچھا ہوا ہے، جو آج کل مغربی تہذیب کی تعلیم کا ایک بہت بڑا ادارہ بن گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، جس کو انہوں نے خدمت خلق، ترقی اور سہولت زندگی کا جامہ پہنایا ہوا ہے۔ جس کے اندر حیا سوز مواد، نوجوانوں کو آوارگی سکھانے اور مسلمانوں کی اسلامی، اخلاقی اور روایتی باحیا تہذیب کو یرغمال بنانے کا ذریعہ بن گیا ہے۔ ان چیزوں میں ایسا خطرناک زہر بھر دیا گیا ہے جو مسلمانوں کی زندگی سے اسلامی علومِ کی اہمیت، صداقت، امانت، اخلاقیات اور دیگر بے شمار اچھی صفات کا جنازہ نکال رہا ہے اور تقریبا نکال چکا ہے۔ جیسے سننے اور دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے مسلمانوں کو اپنے پیغمبر ﷺ کا نام تک نہیں آتا۔

اس لمحہ فکریہ کی طرف خصوصاً اہل علم حضرات کی توجہ مبذول کرانا از حد ضروری ہے، جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے اکابرین اور علمائے حق نے وقتی ضرورتوں اور سہولتوں کو اپنی حدود میں رکھ کر استعمال کیا ہے اور اس میں افراط و تفریط سے بچنے کا انتہائی خیال رکھا ہے، وہ ہمیشہ اسلامی علوم کی حفاظت کرنے اور ان میں ترقی اور آسانی سے امت مسلمہ کو مستفید ہونے کے لیے میدان علم میں برسرپیکار ہیں۔ ہر طرف سے اسلام دشمن قوتوں کے وقتی چالوں اور فریب کاریوں سے اسلامی علوم اور عقائد کو بچاتے اور ان کی حفاظت کرتے رہے ہیں اور ان شاء اللہ آئندہ کے لیے بھی امت مسلمہ کو ان کی دھوکہ بازیوں، دجالی فتنوں اور خطرناک ہتھکنڈوں سے باخبر کرتے رہیں۔ میں قرباں جاؤں ان کی فراست وصداقت پر کہ ان کے اسلام دشمن فریب کاریوں کے

بارے میں دینے والی پیشن گوئیاں کھل کر سامنے آگئیں، جن کو اہلِ علم اور اہلِ بصیرت کیا، ایک عام مسلمان بھی دیکھ رہا ہے۔

اب عام مسلمانوں کا ان ہتھکنڈوں میں پھنسنا تو کوئی عجیب بات نہیں ہے، لیکن اہل علم حضرات اور بزرگانِ دین کے نام لیوا کا ان دجالی فتنوں میں پھنس جانا بڑا عجیب لگتا ہے۔ یہودیوں کی ان فریب کاریوں میں تو عوام پہلے سے شکست کھاتے چلے آرہے ہیں، لیکن اب اہل علم کا بھی ان چیزوں میں پھنسنا شروع ہوگیا۔

ہمارے اکابر اپنے فرائض اور واجبات ادا کرنے کے بعد روحانی اعمال، اسلامی علوم کی حفاظت اور اس کی ترویج میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے، سہولیات وتنعّمات سے ازحد بچتے تھے، وقت کی قدر وعظمت ان کی نگاہوں میں ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے اسلامی خدمات اور نئے کارناموں سے آج بھی امت مستفید ہوتی ہے اور تا آخر مستفید ہوتی رہے گی۔

اس کے مقابل ان کے نام لیوا اور ان کے کردار و کارناموں پر فخر کرنے والے ہم جیسے لوگ واجبات سے فارغ ہوتے ہی فضولیات، لہولعب اور ضیاع وقت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔آج ہمارا اوڑھنا بچھونا فضولیات، خلافِ سنت اعمال، مکروہات، دوسروں کی غیبت اور دیگر محرمات ہیں۔کسی بھی کام سے فارغ ہوتے ہی ہم نیٹ اور فیس بک جیسے حیا سوز فتنے میں لگ جاتے ہیں۔ جا بجا اس میں بدنظری جیسے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں، جس کی نحوست ہمارے اعمال اور روحانیت کو مجروح کرتی ہے، ان چیزوں کے لیے ہمارے پاس گھنٹوں وقت ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم کی تلاوت اور دیگر روحانی اعمال کے لیے پانچ منٹ ہمارے پاس نہیں ہوتے، سنت اور مستحبات پر عمل تو دور کی بات، فرائض اور واجبات میں بھی شدید تساہل کے شکار ہیں۔

اب یہاں پر یہ بات غور وفکر کی حامل ہے کہ ایک طرف ہمارے اکابر اور دوسری طرف ہم لوگ، وہ کیوں ترقی یافتہ، روحانیت کے دریچے، علم کے پہاڑ، سنت کے پابند، مزاجِ نفس کو مزاجِ شریعت کے تابع کرنے والے اور حق پر مر مٹنے والے......لیکن ہم لوگ کیوں ان صفات میں شکست خوردہ؟......فیصلہ ہم پر......

میرے معزز طلبہ وعلماء کرام!

اگر غور کیا جائے تو ہم اکابر کے نام لیوا ہونے کے باوجود ان کی عملی زندگی اپنانا کھو بیٹھے ہیں، فقط ان کے تذکروں کو اپنی محافل اور مجالس کی زینت بنائی ہے۔ہم اور ان میں چند نمایاں فروق ہیں:

۱۔ان کے دلوں میں اسلامی علوم کی اہمیت رچی بسی تھی ۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا تھا............دوسری طرف ہم اسلامی علوم کی وہی اہمیت کھو بیٹھے ہیں اور جدیدیت سے مرعوبیت کی لپیٹ میں آچکے ہیں۔

۲۔بڑے اہتمام سے وہ سنت پر عمل پیرا تھے اوران کی زندگی سنت کی جیتی جاگتی تصویر تھی............دوسری طرف ہم لوگوں کا سنت پر عمل کرنا تو دور کی بات ، بلکہ اہم عبادت جیسے نماز اور دیگر واجبات میں شدید سستی کے شکار ہیں۔

۳۔سنت چھوٹنے پر انہیں دکھ ہوتا تھا(جس کے واقعات بکثرت ان کی عملی زندگی اور آپ بیتیوں میں محفوظ ہیں)............جبکہ ہم لوگ بے دریغ سنتوں کو چھوڑتے ہیں، چہ جائے کہ اس کے چھوٹنے سے ہمیں دکھ ہو۔

۴۔وہ شرعی احکام کو درجہ بندی کے ساتھ ادا کرتے تھے،یعنی تمام شرعی احکام میں سب سے اہم حکم کو پابندی کے ساتھ بجالاتے تھے............جبکہ ہم نے شرعی احکام کو اپنے مزاج کے تابع کیا ہے یعنی جو کام ہماری مزاج کے مطابق اہم ہو، اس کو ہم مقدم کرتے ہیں، اگر چہ اس پر عمل کی وجہ سے فرائض اور واجبات میں کوتاہی کیوں نہ ہو۔عملی طور پر مستحبات کو فرائض اور واجبات پر مقدم کیا ہے۔

۵۔وہ ضروریات کو بھی حدود میں رکھ کر پورا کرتے تھے............جبکہ ہم تنعّمات کے درپے ہیں۔

۶۔معاملات ،معاشرت اور دیگر حقوق کی ادائیگی میں مزاج شریعت ان کا مدنظر رہا............جبکہ ان کی ادائیگی میں ہم نے مزاج شریعت کو مزاج نفس کے تابع بنایا ہے۔اپنے ماتحتوں ، چھوٹوں بڑوں اور دیگر متعلقین کے ساتھ جس رویہ اور سلوک کا اسلام نے تعلیم دیا ہے، اس کو عملی طور پر ٹھکرایا ہے اور اس کے مقابلے میں مزاج نفس کے مطابق ان سے رویہ اختیار کرتے ہیں۔

۷۔وہ شرعی احکام پر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ڈٹے رہے، تختہ دار پر چڑھنا تو قبول کی مگر کسی شرعی حکم کو ضائع ہونے نہیں دیا............اس کے برخلاف ہم دنیا کے جاہ وجلال ، مال ومتاع اور فالورز کم ہونے کے ڈر سے شریعت کے احکام بیان کرنے میں تزلزل دکھا رہے ہیں اور اہل حق کے ساتھ ہونے اور ان کی حمایت کرنے سے بیزار ہو رہے ہیں۔

ان اکابرین امت اور اہل حق کی یہی امتیازی صفات تھیں، جن نے ان کو کامیابی کے آخری مینار تک

پہنچایا...........دوسری طرف ہماری کمزوریاں اور تساہل ہے، جس نے ہمیں کامیابی سے موڑ دیا۔ خدارا! اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ جدید دنیا سے تاثر نہ لو ....اس کے بارے میں مرعوبیت کے شکار نہ بنو..........سیرت نبوی، صحابہ کرام اور اکابر کی عملی زندگی سامنے رکھ کر اس کے مطابق زندگی گزارو اور اپنے قیمتی اوقات کو جدید دنیا کی فریب کاریوں سے بچاؤ۔ اللہ تعالی ہم سب کو سیرت نبوی اور اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

فتنوں کے دَور میں عام آدمی کے لیے حکم

فتنوں کے ایسے اندھیرے اور گھمبیر حالات میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم انفرادی طور پر گناہ چھوڑنے کی کوشش کریں اور اگر نظام بدلنے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اپنی بساط کے مطابق وطن عزیز کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں اور کسی بھی پروپیگنڈہ ٹیم اور فتنہ فساد برپا کرنے والے کا آلہ کار بن کر مزید بگاڑ سے بچیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ستكون فتنٌ ، القاعدُ فيها خيرمن القائم ، والقائم خيرمن الماشي ، والماشي فيها خيرمن الساعي ، من تشرّف لها تستشرفه ، فمن وجد ملجأ أو معاذا فليعذ به . (الصحيح للبخاري ،علامات النبوة في الاسلام، رقم : ٣٣٣٤)

عنقریب کچھ فتنے ایسے برپا ہوں گے کہ اُن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ اگر کوئی اُن (فتنوں) کی طرف دور سے بھی جھانک کر دیکھے گا تو وہ اُسے بھی سمیٹ لیں گے۔ ایسے وقت میں جو کوئی اُن (فتنوں) سے پناہ کے لیے کوئی جگہ پالے تو اُسے وہ پناہ ضرور لے لینی چاہیے۔

﴿سلسلۂ رمضان﴾

ماہِ رمضان......اللہ کا قرب حاصل کرنے کا مہینہ

تحریر: محمد اسماعیل نیاز

رمضان المبارک کا مہینہ ملنا زندگی کی بڑی سعادت ہے، رمضان المبارک ایک خاص مہینہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو سمیٹنے کا سنہرا موقع ہوتا ہے، اللہ کا عرش پہلے آسمان پر آجاتا ہے، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ یہ خصوصیت پہلی امتوں میں سے کسی کے لیے بھی نہیں تھی، ان کا روزہ مشقت والا تھا، ایک مرتبہ سونے کے بعد اگلی افطاری تک کھانے پینے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے لیے تراویح کی نماز مشروع نہیں تھی، یہ امت محمدیہ کی شان ہے کہ قرآن سننے کے لیے اور قرآن زندہ رکھنے کے لیے نماز تراویح کو مسنون قرار دیا گیا ہے۔

رمضان کی آمد:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ". (صحيح بخاري، رقم :3277، صحيح مسلم، رقم : 1079)

جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

ماہِ رمضان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت، مغفرت اور عنایات اپنے ساتھ لے آتا ہے، کوئی بھی مسلمان خالص توحید، ایمان، تقویٰ اور اعمال صالحہ کے ذریعے سے اس ماہِ فوزان سے خیر کثیر حاصل کر سکتا ہے۔

رمضان کے روزے کی فرضیت:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

﴿يا أَيُّهَا الَّذينَ آمَنوا كُتِبَ عَلَيكُمُ الصِّيامُ كَما كُتِبَ عَلَى الَّذينَ مِن قَبلِكُم لَعَلَّكُم

تَتَّقُونَ﴾(البقرة: 183)

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کر دیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، (یہ اس لیے) تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

مزید فرمایا:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾(البقره: 185)

جو اس مہینہ کو پالے، اس پر لازم ہے کہ وہ اس ماہ کے روزے رکھے۔

روزے کی اہمیت:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث قدسی نقل کرتے ہیں کہ:

"كلّ عمل ابن آدم له إلا الصيام، فإنه لي وأنا أجزي به".

انسان کو ہر عمل کا مقرر کردہ ثواب ملے گا، لیکن روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ (صحیح بخاری: 1904، صحیح مسلم: 1151)

روزے کی فضیلت:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ومن صام رمضان إيمانا واحتسابا، غفر له ما تقدم من ذنبه".

جس شخص نے ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے رمضان کا روزہ رکھا تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری: 1901)

رمضان المبارک کی تیاری اور اہتمام کے اعمال:

رمضان المبارک کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک مہینے کی تیاری ماہ شعبان سے ہی شروع فرما دیتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو بھی اس کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔

جس طرح تاجر اپنی تجارت کا سیزن آنے پر نہ صرف خود تیاری کرتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی ترغیب دیتے ہیں، تاکہ زیادہ نفع کمایا جا سکے۔ اسی طرح تمام مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ آپس میں تذکرے کیا کریں کہ

نیکیوں کا موسم آ رہا ہے، اللہ پاک کی رحمتیں سمیٹنے کے دن آ رہے ہیں، دلوں سے زنگ اُتارنے والا مہینہ آ رہا ہے، اللہ پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں پیدا کرنے کا اور جنت کی خریداری کا موسم آ رہا ہے۔ گھروں میں، دفاتر میں اور اپنی تمام مجالس میں اس بات کے تذکرے ہوں کہ ماہ رمضان آ رہا ہے۔ اس کے لیے اپنی دنیاوی مصروفیات مختصر کر کے اللہ پاک کی رحمت سمیٹنے کی تیاری کریں، کیونکہ جنت کا راستہ آسان اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جائیں گے۔

رمضان کا مطلب:

رمضان "رمض" سے ہے۔ اس کا معنی ہے "جل جانا"۔ جلنے سے چیز ختم ہو جاتی ہے، اس ماہ میں گناہ جل جاتے ہیں۔ مسلمان روزہ رکھنا شروع کر دیتا ہے تو روزے کی پیاس اور تپش سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں.

رمضان اور آسمانی علم:

رمضان علم کا مہینہ ہے کیونکہ سارا آسمانی علم رمضان میں اُترا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے یکم رمضان کو نازل ہوئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات ۲ رمضان کو اُترا، حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور چھ رمضان کو اترا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل بارہ یا اٹھارہ رمضان کو اُترا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم شب قدر میں اترا۔

رمضان کا نام اللہ نے چنا ہے:

اسلامی مہینوں کے نام محرم سے لے کر ذوالحجہ تک تمام کے تمام عرب نے متعین کیے ہیں۔ صرف رمضان کا نام اللہ نے چن رکھا ہے، جس کا تذکرہ قرآن کریم میں ان الفاظ سے کیا ہے: **﴿شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن﴾(البقرة)**

رمضان کی برکات سے کس طرح مستفید ہوں:

رمضان المبارک کی برکات سے مستفید ہونے کے لیے درج ذیل امور کا اہتمام ضروری ہے:

1: دعاؤں کا خصوصی اہتمام ہو، تاکہ اللہ سے رشتہ استوار رہے۔

2: نوافل کی کثرت کے ساتھ ساتھ نمازوں میں بہتری لانے کی ہر ممکن کوشش ہو۔

3: قضا نمازوں کی ادائیگی ہو۔

4: زکوۃ کی ادائیگی کی بھی ترتیب ہو۔

5: قرآن مجید کی تلاوت زیادہ سے زیادہ ہو، اس کے لیے قرآن پڑھنے کا وقت اور مقدار مقرر کرلے۔

6: لین دین کا معاملہ ہو، کسی کا حق ذمہ پر ہو، کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو حقوق ادا کریں یا پھر معافی مانگ لیں، کیونکہ حقوق العباد کا ادا نہ کرنا اس ماہ کی برکات حاصل کرنے میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔

7: قیام اللیل کا اہتمام کرنا یعنی تھکاوٹ اور نیند کے باوجود نماز تراویح کا اہتمام کرنا ہے۔ خاص طور پر آخری عشرے میں۔

8: حسب استطاعت صدقہ وخیرات کرنا۔ کیونکہ یہ غم خواری کا مہینہ ہے۔

9: زبان کی حفاظت اور فضول باتوں سے اجتناب کرنا، تاکہ عبادات رائیگاں نہ جائیں۔

10: دل سے اپنے گناہوں پر ندامت اور توبہ کا اہتمام بھی ہو، تاکہ رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال ہو اور رمضان شروع ہوتے ہی قلوب منور ہوتے چلے جائیں۔

رمضان اور تجدید ایمان:

یاد رہے رمضان میں روزہ رکھنے کا اصل مقصد حصول تقوی ہے۔ رمضان کی تیاری ایمان کی تجدید کے ساتھ کرنی ہے۔ صحابہ اکرامؓ کو اپنے ایمان کی کمی کا بہت خوف لاحق رہتا تھا، انہیں اپنا ایمان بڑھانے کی بہت فکر ہوتی تھی۔ کیونکہ جتنا زیادہ ایمان ہوگا، جنت میں اتنے درجات بلند ہوں گے؛ اس لیے کثرت کے ساتھ کلمہ طیبہ کا ورد ہو، تاکہ ایمان کی طاقت مسلسل بڑھتی رہے۔

رمضان اور قرآن:

اولاً تو قرآن کریم کی تلاوت کی کثرت ہو، ثانیاً قریبی مقام میں دورہ قرآن کی کلاسز جوائن کرنے کی کوشش کیجیے، یہ بہت اچھا موقع ہے پورے قرآن کو ترجمہ کے ساتھ سمجھنے کے لیے۔ مزید یہ کہ تراویح میں قرآن سننے کا شوق اور لگن ہو۔ کسی بھی معمولی وجہ سے جماعت نہ چھوڑیں، خاص کر وہ لوگ جنہیں قران کا زیادہ حصہ زبانی یاد نہ ہو۔

رمضان اور موبائل:

اس مبارک مہینے میں موبائل، واٹس ایپ، فیس بک بالکل بند کردیں، موبائل اگر بند نہیں کر سکتے تو ایک مہینہ سم کسی بٹنوں والے موبائل میں ڈال دیں، کیونکہ عموماً موبائل کا زیادہ استعمال وقت کا ضیاع ہے۔ایک طرف رحمتوں اور برکتوں کا نزول تو دوسری طرف موبائل کے استعمال سے نحوست آتی ہے جو ذہن کو مکمل ماؤف کر دیتا ہے، پھر عبادات کا مزہ نہیں رہتا۔دیکھیں! ہر کام اپنے وقت پر اچھا لگتا ہے، رمضان عبادتوں میں سبقت کا مہینہ ہے تو اسی کی سعی کیجیے۔

اللہ کی طرف سے اعلانات:

اللہ کی طرف سے مسلسل یہ اعلان ہوتے رہتے ہیں:

1:" هل من مستغفر فاغفر له ".

کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کر دوں؟

2:"هل من تائب فاتوب له".

کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کر دوں؟

3: "هل من سائل فاعطى له".

کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اسے عطا کر دوں؟

(فضائل رمضان لإبن أبي دنیا:صفحہ 46،حدیث نمبر:20)

ہر مسلمان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات مانگ لیں۔یہی قبولیت کا مہینہ ہے۔

رمضان اچھی طرح گزاریں:

رمضان کا مہینہ ملنا زندگی کی بڑی سعادت ہے، یہ 30 دن سال کے بقیہ 330 دنوں کے لیے ایک ٹریننگ، مشق اور عملی تربیت کی حیثیت رکھتی ہے۔رمضان خود پر محنت کرنے کا مہینہ ہے۔

ہمارے اسلاف رمضان میں اپنے وقت کا خاص خیال رکھتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ زیادہ وقت مسجد میں اور قرآن کے ساتھ گزرے۔

آج عموماً لوگ تراویح پڑھ لیتے ہیں اور روزہ رکھ لیتے ہیں، پھر ان امور کو کافی سمجھنے لگتے ہیں۔مؤمن

تو سبقت لے جانے والا ہوتا ہے، اللہ کی طرف دوڑنے والا ہوتا ہے، رمضان اللہ تعالیٰ کے مقربین میں شامل ہونے کا بہترین موقع ہے۔ اسے غنیمت جان کر بہترین طریقے سے اپنی عبادت، تلاوت، قیام اللیل اور نفلی عبادات کی ترتیب بنائیں اور کوئی بھی لحہ فضول کاموں میں رائیگاں نہ جانے دیں۔ روزانہ اپنے وقت کا احتساب ضرور کریں کہ آج کتنا وقت قرآن کے ساتھ گزرا اور کتنا دیگر کاموں میں۔ اپنے اذکار کی ترتیب بنائیں کہ کون سے وقت میں کون سا ذکر کرنا ہے۔ تیاری کے طور پر ابھی سے مندرجہ بالا امور پر عمل کرنے کی کوشش کیجیے، اپنا دل صاف کیجیے، اللہ تعالیٰ سے خود کو معاف کروا لیجیے اور مخلوق خدا کو خود معاف کر لیں۔ اپنی بساط کے مطابق اللہ تعالیٰ سے لو لگا لیجیے، تا کہ رمضان کے اختتام پر رمضان کے روزوں کا حقیقی مقصد یعنی تقویٰ حاصل ہو جائے اور یہی مطلوب و مقصود ہے۔

دولت سے راحت نہیں خریدی جاسکتی

یاد رکھئے مال اپنی ذات میں کوئی نفع دینے والی چیز نہیں، بھوک کے وقت ان پیسوں کو کوئی نہیں کھاتا، پیاس لگے تو اس کے ذریعے پیاس نہیں بجھا سکتے، لیکن انسان کو راحت پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے اور راحت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ حرام طریقوں سے مال حاصل کر کے اگر تم نے بہت بینک بیلنس بڑھا لیا اور بہت خزانے بھر لیے، لیکن اس کے ذریعہ راحت حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ حرام دولت کے انبار جمع ہو گئے، لیکن راحت حاصل نہ ہو سکی، رات کو اس وقت تک نیند نہیں آتی جب تک نیند کی گولیاں نہ کھائے۔ مال و دولت، مل فیکٹری، سامانِ تجارت، نوکر چاکر سب کچھ ہے، لیکن جب کھانے کے لیے دسترخوان پر بیٹھا تو بھوک نہیں لگتی اور بستر پر سونے کے لیے لیٹا، مگر نیند نہیں آتی۔ دوسری طرف ایک مزدور ہے جو آٹھ گھنٹے محنت مزدوری کرنے کے بعد ڈٹ کر کھانا کھاتا ہے اور آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر سوتا ہے۔ تو اب بتایئے اس مزدور کو راحت ملی یا اس صاحب بہادر کو جو بہت عالیشان بستر پر ساری رات کروٹیں بدلتا رہا؟ حقیقت میں راحت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مسلمان کے ساتھ یہ اصول ہے کہ اگر وہ حلال طریقے سے دولت حاصل کرے گا تو وہ اس کو راحت اور سکون عطا کریں گے، اگر وہ حرام طریقے سے حاصل کرے گا تو وہ شاید دولت کے انبار تو جمع کر لے، لیکن جس چیز کا نام سکون ہے، جس کا نام راحت ہے، اس کو وہ دنیا کے انبار میں بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۱/۵۳)

﴿سلسلۂ احکامِ رمضان﴾

کن چیزوں سے روزہ ٹوٹتا ہے؟

مفتی محمد فہیم اللہ

چونکہ روزے کا بنیادی رکن ''کھانے، پینے اور جماع سے رُکنا'' ہے، اس لیے جہاں کہیں بھی ان تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز (شہوتِ بطن یا شہوتِ فرج کی کلی یا جزوی تکمیل) پائی جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، چاہے:

☆...... عذر کے ساتھ ہو یا بغیر عذر کے

☆......اور چاہے قصد وارادے کے ساتھ ہو یا قصد وارادے کے بغیر خطا کی وجہ سے۔ خطا سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو روزہ یاد ہو، لیکن اس کا قصد وارادہ روزہ توڑنے کا نہ ہو، بلکہ بلا ارادہ روزہ ٹوٹ جائے۔

☆......اور چاہے اپنی مرضی سے ہو یا کسی کے جبر واکراہ سے

☆......اور چاہے نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں

☆......اور چاہے بے ہوش وحواس ہو یا روزہ رکھنے کے بعد دیوانہ یا بے ہوش ہو گیا ہو۔

بشرطیکہ ان تمام صورتوں میں روزہ یاد ہو یعنی نسیان اور بھولنے کی حالت نہ ہو۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۵۹۸، حاشیۃ الطحطاوی: ص۵۴۲، الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۲۰۲)

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

جزئیات اور صورتوں کو بیان کرنے سے پہلے تین بنیادی اصول کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جن میں سے کسی ایک کے ہوتے ہوئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

پہلا اصول:

حنفیہ کے ہاں نسیان یعنی بھول سے اگر مذکورہ بالا امور کا ارتکاب ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

ترجمہ: جس شخص نے بھول کر روزے کی حالت میں کچھ کھا پی لیا تو وہ اپنا روزہ پورا کرلے، بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے کھلا پلا دیا۔(صحیح بخاری، الصائم إذا أكل او شرب ناسياً)

حنفیہ کے ہاں اس میں دوسری علت دفعِ حرج بھی ہے، اس لیے کہ نسیان کا وقوع زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرا اُصول (شبہ نسیان):

شبہ نسیان کا مطلب یہ ہے کہ ''جس چیز کا وقوع زیادہ ہو اور اس سے تحرز اور بچاؤ ممکن نہ ہو'' تو اس چیز کا پایا جانا شبہ نسیان کہلائے گا؛ لہٰذا اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسے گرد وغبار یا دھنویں وغیرہ کا نگلنا۔

تیسرا اُصول:

جن صورتوں میں کوئی چیز غیر معتاد (عادت کے خلاف) اور غیر متعارف طریقے سے منہ یا حلق کے اندر چلی جائے یا منی کا اخراج تو ہو جائے، لیکن نہ تو کھانے پینے یا جماع کی صورت ظاہر ہو جائے اور نہ ہی ان اشیا کا مقصد حاصل ہو جائے یعنی کھانے پینے سے غذا و تداوی (علاج) کا مقصد اور منی کے اخراج سے قضاءِ شہوت کا مقصد حاصل نہ ہو سکے: تو ایسی تمام صورتوں کے وقوع سے روزے پر کچھ بھی اثر نہیں پڑے گا۔

مذکورہ تین اصول کے بعد درج ذیل اشیا سے روزہ نہیں ٹوٹے گا:

(۱) بھول کر کھانے، پینے یا صحبت کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے)

(۲) غیر اختیاری طور پر مکھی یا مچھر وغیرہ حلق میں داخل ہونا

(۳) گرد وغبار، دھواں، خوشبو یا بدبو وغیرہ کا منہ، ناک یا حلق میں چلے جانا

(۴) مضمضہ (کلی) کے بعد پانی کی بقیہ تری کا لعاب کے ساتھ نگلنا اور منہ میں لعاب جمع کر کے نگلنا

(۵) دانتوں کے درمیان چنے کے دانے سے کم خوراک کو نگلنا، اگرچہ قصداً ہی کیوں نہ ہو۔

اس کے برعکس چنے کے برابر یا اس سے زیادہ مقدار نگلنا، بارش میں جمائی وغیرہ لیتے ہوئے حلق میں بارش کے قطرات داخل ہونا، مضمضہ واستنشاق میں مبالغہ کرنے کی وجہ سے حلق میں پانی اُتر جانا یا جبر اور اکراہ کی صورت میں کھانا پینا چونکہ قلیل الوقوع ہیں اور ان سے بچنا بھی ممکن ہے، اس لیے ان سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۶) روزہ کے دوران احتلام یعنی نیند میں انزال ہو جانا

(۷) بھول کر کھا پی رہا ہو، اس دوران روزہ یاد آ جائے تو فوراً لقمہ گرانے اور پانی تھوکنے سے روزہ برقرار رہے

گا۔اسی طرح سحری کرر ہا تھا کہ اس دوران طلوعِ فجر ہو گیا اور فوراً لقمہ نکال دیا تو روزہ برقرار رہے گا۔

(۸) روزہ توڑنے کی نیت سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جب تک کسی مفسد کا ارتکاب نہ کرے۔

(۹) قے از خود آئی ہو، تو زیادہ ہو یا کم، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔اسی طرح اگر جان بوجھ کر ہو، لیکن منہ بھر سے کم ہو تو بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۰) قے خود واپس چلا جائے تو چاہے منہ بھر کے ہو یا کم، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اگر خود نگل لے اور منہ بھر کے ہو تو بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۱۱) رائی یا گندم کے دانے کے برابر چھوٹی چیز چبانا، بشرطیکہ وہ چبانے سے مکمل طور پر منہ میں غائب ہو جائے اور اس کا معمولی اثر بھی حلق تک نہ پہنچے۔اگر چبائے بغیر نگل لیا تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

(۱۲) ناک میں بلغم تھا، اسے حلق کی جانب کھینچ لیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ہونٹوں سے اپنا لعاب چاٹ کر نگلنا بھی جائز ہے۔

(۱۳) دانت سے خون نکلا اور حلق میں پہنچ گیا تو اگر خون کی مقدار تھوک سے کم ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

(۱۵) آنسوؤں یا پسینے کے ایک دو قطرے منہ میں داخل ہو گئے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر کثیر مقدار میں ہو کہ اس کی نمکینی کا احساس ہونے لگے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، بشرطیکہ اس کو جمع کر کے ایک ساتھ نگل لیا جائے۔

(۱۶) مسامات کے ذریعے پانی کی ٹھنڈک یا تیل کی چکناہٹ کا جسم کے اندر محسوس ہو جانا مفسدِ صوم نہیں۔

(۱۷) آنکھ میں دوائی یا سرمہ ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر چہ اس کا رنگ اور ذائقہ حلق میں محسوس ہو۔

(۱۸) غسل وغیرہ کے دوران پانی کان میں چلا جائے یا قصداً ڈالا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(۱۹) عورت کے ساتھ بوس وکنار، ملامست، معانقہ اور مباشرت کسی سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ انزال نہ ہو جائے۔(ملخص از بدائع الصنائع: ۲۰۲/۱۔۲۰۴)

(۲۰) انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔البتہ بھوک پیاس مٹانے کے لیے ہو تو مکروہ ہے۔

جن صورتوں میں روزہ ٹوٹ جاتا ھے:

روزہ ٹوٹ جانے کے بعد قضا تو بہرصورت واجب ہوگی، البتہ بعض صورتوں میں قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگا۔ذیل میں قضا اور کفارہ کے وجوب کے لیے الگ الگ اصول ذکر کیے جا رہے ہیں۔

کفارہ کے وجوب کے لیے اصول:

(۱) کھانے ، پینے یا جماع کی وجہ سے کامل افطار پایا جائے یعنی ''پیٹ اور معدے کی شہوت یا شرم گاہ کی شہوت'' کو کامل طریقے سے پورا کرنا کفارہ کے وجوب کے لیے سبب ہے۔

(۲) روزہ توڑنے کا باقاعدہ قصد وارادہ ہو۔

(۳) کوئی ایسا عذر موجود نہ ہو، جس کے ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنا مباح یا ضروری ہو۔

(۴) رات سے یا طلوعِ فجر سے پہلے پہلے روزہ رکھنے کی نیت کی ہو۔

(۵) روزہ رمضان کا ہو، اس لیے کہ غیر رمضان کے روزوں میں صرف قضا ہے، کفارہ نہیں۔

(۶) کفارہ واجب ہونے کے بعد عورت کو اُسی دن حیض ونفاس نہ آئے۔

(۷) کفارہ واجب ہونے سے پہلے یہ شخص سفر کی حالت میں نہ ہو، اگر سفر کی حالت میں ہو تو صرف قضا واجب ہوگی۔ یاد رہے کہ کھانے ، پینے یا جماع کے بعد سفر کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۸) روزہ اپنی مرضی سے افطار کیا ہو، اکراہ اور زبردستی نہ ہو۔ (بدائع الصنائع:۲/ ۶۱۷۔۶۲۳، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی:ص۵۴۶، ۵۴۷، ۵۵۱)

قضا اور کفارہ دونوں واجب ہونے کی چند خاص صورتیں:

(۱) بلا عذر اور بلا جبر واکراہ عمداً کھانا پینا

(۲) ہم بستری فطری راستے سے ہو یا غیر فطری راستے سے، انزال ہو یا نہ ہو، کفارہ بہر صورت واجب ہوگا۔ مرد وعورت اس حکم میں برابر ہیں۔

(۳) کھانے پینے کی جو چیز غذا یا دوا کا کام کرتی ہو، تو اس کی معمولی مقدار کھانے سے بھی کفارہ واجب ہوگا۔

غذا کا مفہوم :

غذا کے مفہوم میں فقہا کا اختلاف ہے۔ بعض فقہا کے ہاں غذا وہ چیز ہے، جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس سے پیٹ کی شہوت (خواہش) پوری ہو، جب کہ دوسرے فقہا کے ہاں غذا وہ ہے، جس سے بدن کو کسی درجے میں قوت اور نفع پہنچ جائے۔ اکثر فقہا نے پہلی تعریف کو ترجیح دی ہے؛ لہٰذا مذکورہ تعریف کی رو سے درج ذیل اشیا سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے:

(الف)......ایسی مٹی کھانا جس کو از راہِ علاج یا بطور تلذذ لوگ کھاتے ہوں اور اس کی طرف طبیعت مائل ہو تو اس کا کھانا موجبِ کفارہ ہے۔ اس لیے کہ پیٹ کی خواہش پوری ہوئی، چاہے بدن کو فائدہ نہ ہو۔

(ب)......سگریٹ، نسوار (بشرطیکہ اس کے ذرات کا حلق میں جانا یقینی ہو)، بیڑی اور ہر اُس چیز سے روزہ فاسد ہو کر کفارہ لازم ہوتا ہے، جس کو لوگ بطورِ علاج، نشہ یا غذا استعمال کرتے ہوں۔

(ج)......اپنی بیوی یا محبوب کا لعاب چاٹنا اور نگلنا موجبِ کفارہ ہے، ان کے علاوہ عام لوگوں کا لعاب نگلنا صرف موجبِ قضا ہے، اس لیے کہ اول الذکر کی طرف نفس کا میلان ہوتا ہے اور دوسرے کی طرف میلان نہیں ہوتا۔

(۴) نمک کی معمولی مقدار بھی کھانا مختار قول کے مطابق موجبِ کفارہ ہے۔ (الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۲۰۳، ۲۰۵، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، باب ما یفسد بہ الصوم وتجب بہ الکفارۃ مع القضاء: ص ۵۴۶۔۵۴۹)

شبہ کی وجہ سے کفارہ ساقط ہوسکتا ہے:

اگر کسی شخص نے ایسی چیز کو مفسدِ صوم سمجھ لیا، جس سے حقیقت میں روزہ نہیں ٹوٹتا، اور پھر یہ سمجھتے ہوئے کہ روزہ تو ٹوٹ ہی چکا ہے، کھانا پینا شروع کر دیا تو اس صورت میں قضا تو واجب ہوگی ہی، البتہ کچھ صورتوں میں کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے گمان اور شبہ کا حکم جاننے کے لیے کسی مفتی سے پوچھنا چاہیے۔

صرف قضا واجب ہونے کے اصول اور صورتیں:

کفارہ کی تمام یا بعض شرائط کی غیر موجودگی میں صرف قضا واجب ہوگی۔ کچھ صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) اگر روزہ دار نے کسی ایسی چیز کو کھا پی لیا جو عام طور پر نہ غذا کے لیے استعمال کی جاتی ہو اور نہ دوا کے لیے، جیسے: پتھر، عام مٹی، کنکری، روئی، کاغذ، گوندھا ہوا آٹا، خشک آٹا؛ تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی۔

(۲) ناک یا حلق میں دوائی یا پانی اس طور پر ڈالنا کہ پانی یا دوا اندر پہنچ جائے۔

البتہ کان میں تیل یا دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹتا ہے اور پانی ڈالنے سے نہیں ٹوٹتا۔ اکثر فقہاء کرام کے ہاں چاہے پانی خود چلا جائے یا قصداً ڈال دے؛ بہر صورت روزہ برقرار رہے گا۔ کچھ فقہاءِ کرام کان میں دوائی یا تیل ڈالنے کی صورت میں بھی روزہ نہ ٹوٹنے کے قائل ہیں۔ یہ قول اُس صورت میں زیادہ مناسب ہے، جب کان کا پردہ صحیح سالم ہو۔ اگر پردہ پھٹا ہوا ہو تو ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۳) پیٹ کے زخم میں دوائی ڈالی جائے اور وہ پیٹ تک پہنچ جائے۔

(۴) جمائی یا کسی اور وجہ سے منہ کھولا اور حلق میں مثلاً بارش کا پانی یا اولہ گر گیا تو روزہ فاسد ہوگا اور قضا واجب ہوگی، البتہ اگر خود ہی قصداً نگل لے تو کفارہ بھی واجب ہوگا۔

(۵) وضو یا غسل کے دوران بلا ارادہ پانی حلق میں اتر جائے، جس کو فقہا خطا سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۶) جبر و اکراہ کی وجہ سے کھانا پینا یا جماع کرنا

(۷) نیند کی حالت میں خود کھانا پینا یا کسی اور کی طرف سے حلق میں پانی ڈالا جانا

(۸) نسیان کی وجہ سے کھانے پینے یا جماع کے بعد افطار کے شبہ کی وجہ سے عمداً کھانا پینا یا جماع کرنا

(۹) ابتدا ہی سے روزہ کی نیت نہ ہو تو کھانے پینے یا جماع سے صرف قضا واجب ہوگی۔

(۱۰) طلوعِ فجر کا ظن غالب ہونے کے باوجود سحری کرنا

(۱۱) غروبِ شمس کا غالب گمان کرتے ہوئے افطار کرنا، حالانکہ ابھی غروب کا وقت نہ ہوا ہو۔

(۱۲) عورت کے ساتھ صحبت کے بغیر بوس و کنار کرتے ہوئے انزال ہو جانا

(۱۳) اپنے یا اپنی بیوی کے ہاتھوں منی خارج کرنا

(۱۴) اپنے قصد و ارادے سے دھویں وغیرہ کو پیٹ تک پہنچانا موجبِ قضا ہے، البتہ عنبر اور عود کے دھویں اور سگریٹ کے بارے میں علامہ شرنبلالیؒ قضا کے ساتھ ساتھ کفارہ کے بھی قائل ہیں۔

(۱۵) تکلف کے ساتھ از خود منہ بھر کے قئ کرنا یا تکلف کے ساتھ منہ بھر کے قئ واپس نگلنا

(بدائع الصنائع: ۲/۶۲۴، مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۵۵۳۔۵۵۸، الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/۲۰۲۔۲۰۴)

قضا اور "فدیہ کی وصیت" کے لیے اصول:

(۱) فقہاء کرام کے ہاں اگر کسی شخص کا روزہ عذر کی وجہ سے رہ گیا ہو اور وہ اسی عذر کے دوران مر جائے اور اس کو روزہ رکھنے کی فرصت نہ ملے تو قضا ساقط ہو جائے گی، یعنی قضا کے وجوب کے لیے شرط یہ ہے کہ قضا کے لیے ایسا وقت مل جائے جو شرعی اعذار سے خالی ہو، تاہم اگر فدیہ کی وصیت کر لے تو مستحب ہے۔

(۲) اگر زیادہ روزے عذر کی وجہ سے رہ گئے تھے اور ان سب یا بعض کے بقدر وقت مل جانے کے بعد موت آ گئی تو اب اتنے روزوں کے بدلے فدیہ کی وصیت واجب ہوگی، جتنے روزوں کی قضا کے لیے وقت مل گیا ہو۔

(۳) رمضان کے روزوں کی قضا علی الفور واجب نہیں، بلکہ عیدین اور ایام تشریق (گیارہ، بارہ،

تیرہ ذی الحج) کے علاوہ بقیہ ایام میں عمر بھر کبھی بھی اس کی قضا کی جا سکتی ہے۔

(۴) رمضان کی قضا کے لیے رات سے روزے کی نیت ضروری ہے۔(بدائع الصنائع:۲/ ۶۲۸۔۶۳۲)

فدیہ کب واجب ہوگا؟

حنفیہؒ کے ہاں فدیہ کے وجوب کے لیے علت ایسا دائمی عجز ہے، جس کے ہوتے ہوئے تمام عمر اس کو روزہ ادا کرنے پر قدرت کی امید نہ رہے، چاہے یہ عجز کسی دائمی مرض کی وجہ سے ہو یا کبر سنی کی وجہ سے ہو۔عام اعذار مثلاً سفر، غیر دائمی مرض اور حمل وغیرہ سے فدیہ واجب نہیں ہوتا، بلکہ شیخِ فانی یا دائمی مریض بھی اگر روزے رکھنے پر قادر ہو جائے تو قدرت والے ایام کے بقدر اس کا فدیہ باطل ہو جائے گا اور وہ ان روزوں کی قضا لائے گا۔

(بدائع الصنائع:۲/ ۶۳۱، مراقی الفلاح مع الطحطاوی، فصل فی العوارض:ص ۵۶۷)

فدیہ کی مقدار اور طریقۂ کار:

فدیہ کی مقدار خود قرآن مجید میں موجود ہے کہ فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔(البقرۃ:۱۸۴)

اگر تملیک (فقیر کو مالک بنانا) چاہے تو ہر روزے کے بدلے صدقۃ الفطر کی مقدار (نصف صاع یعنی پونے دو سیر گندم یا ساڑھے تین سیر جو، کشمش یا کھجور یا ان کی قیمت) ادا کرے۔ یہ ادائیگی رمضان کے اول میں بھی ہو سکتی ہے اور رمضان کے آخر میں بھی، اسی طرح تمام فدیہ کسی ایک فقیر کو بھی دیا جا سکتا ہے۔

اور اگر اباحت (خوراک سامنے رکھ کر سیر ہونے تک کھلانا) چاہے تو ایک فقیر کو دن میں دو مرتبہ خوب سیر ہو کر کھلانا ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ سالن وغیرہ میں عرف کا خیال رکھا جائے۔

ایک شخص ایک روز میں جتنا بھی کھائے، جتنی مرتبہ بھی کھائے؛ ایک ہی فدیہ شمار ہوگا۔ جو شخص فدیہ دینے پر بھی قادر نہ ہو تو وہ استغفار کرتا رہے۔(بدائع الصنائع:۲/ ۶۱۶، مراقی الفلاح:ص ۵۶۷، ۵۵۲)

رمضان کے روزے کا کفارہ:

کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ چونکہ موجودہ دور میں غلامی کا تصور ختم ہو گیا ہے، اس لیے دو ماہ مسلسل روزے رکھنے ہوں گے، تاہم ان روزوں میں حیض کے علاوہ باقی کسی بھی عذر کی وجہ سے افطار کرنا جائز نہیں، لہٰذا اگر ان دو مہینوں کے درمیان عیدین یا ایام تشریق بھی آ گئے تو از سرِ نو دو ماہ روزے رکھنے ہوں گے۔ حیض ختم ہونے کے فوراً بعد گزشتہ روزوں سے اتصال ضروری ہے۔

﴿سلسلہ احکامِ رمضان﴾

تراویح کی فضیلت اور احکام

مفتی ابو محمد عثمانی

رمضان کا مہینہ بلاشبہ امتِ محمدیہ کے لیے سراسر باعث خیر و برکت ہوتا ہے، جس میں روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ ہر خاص و عام کو دوسری عبادات میں بھی رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ بھی اس مہینے میں عبادات پر خصوصی توجہ فرماتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی عبادت کا شوق دلاتے، جس کی واضح دلیل رمضان کی بعض راتوں میں صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان کو باجماعت نمازِ تراویح پڑھانا ہے۔ چونکہ طبعی طور پر انسان دوسرے لوگوں کو دیکھ کر ایک خاص ماحول میں کسی بڑے کام کی انجام دہی کو بھی ہلکا سمجھتا ہے، اس لیے رمضان جیسے مقدس مہینے کی عظمت اور اس کی برکات کو سمیٹنے کے لیے رات کے وقت نماز تراویح میں جماعت کو سنت قرار دیا گیا، تاکہ مسلمانوں کو اس مقدس مہینے میں عبادت کے لیے ایک قوی محرک اور سبب مہیا ہو سکے۔

تراویح کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

تراویح ''ترویحہ'' کی جمع ہے جو راحت سے ماخوذ ہے۔ چونکہ اس نماز میں ہر چار رکعت پر استراحت اور وقفہ کیا جاتا ہے، اس لیے اس کو نماز تراویح کہتے ہیں۔ چونکہ نماز خود بھی آخرت میں راحت کا ذریعہ ہے، اس وجہ سے بھی اس کو تراویح کہنا درست ہے۔ اصطلاحِ فقہ میں حنفیہ کے ہاں ''رمضان کی راتوں میں دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعتوں کی ادائیگی'' کا نام تراویح ہے۔ (مراقی الفلاح: ۳۳۳، ۳۳۴، بدائع الصنائع: ۲/۲۷۴)

تراویح کی مشروعیت:

تراویح کی مشروعیت نبی کریم ﷺ کے قول و فعل ہر ایک سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''تم پر رمضان کا روزہ اللہ تبارک وتعالی نے فرض کر دیا ہے اور میں اس کا قیام، یعنی صلوۃِ تراویح تمہارے لیے سنت قرار دیتا ہوں''۔ (الصحیح للبخاری، کتاب الجمعۃ: ۱/ ۱۲۵، ۱۲۶)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بذاتِ خود دو تین رات مسلسل صحابہؓ کو باجماعت صلوۃ تراویح پڑھائی، تاہم اس ڈر سے اس کو چھوڑ دیا کہ کہیں یہ امت پر فرض نہ ہو جائے۔ (حوالہ سابقہ)

یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے آخری رمضان کا واقعہ ہے، جس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوسرے سال لوگوں کو ایک امام کے پیچھے بیس رکعت پڑھنے پر جمع کر دیا، جس پر حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور تمام صحابہ کرامؓ نے مواظبت اختیار کی۔(مراقی الفلاح:۳۳۴، ۳۳۵، الموسوعۃ الفقہیۃ:۲۷/۱۳۹)

تراویح کا حکم:

تراویح مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے۔اس کا سنت مؤکدہ ہونا جس طرح حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی مواظبت سے ثابت ہے، اسی طرح خود نبی کریم ﷺ کے قول وفعل سے بھی اس کا سنت ہونا ثابت ہے۔(مراقی الفلاح مع الطحطاوی:۳۳۴، ۳۳۵، الدر المختار مع رد المحتار:۲/۴۹۳)

تراویح کی رکعتوں کی تعداد:

جمہور فقہائے کرام (حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے ہاں تراویح کی نماز دس تسلیمات کے ساتھ کل بیس رکعتیں ہیں۔اسی تعداد پر حضرت عمرؓ نے ابیّ بن کعبؓ کی امامت میں لوگوں کو جمع کیا تھا اور اسی پر صحابہ کرامؓ کی مواظبت بھی رہی۔اگر کسی نے ایک ہی سلام کے ساتھ تمام تراویح پڑھ لیں اور ہر دو رکعت کے بعد قعدہ میں بیٹھ گیا تو کراہت کے ساتھ ادا ہو جائیں گی، البتہ اگر ہر دو رکعت کے بعد قعدہ نہ کیا تو تمام بیس رکعات صرف دو رکعتیں شمار کی جائیں گی۔(بدائع الصنائع:۲/۲۷۴۔۲۷۷، الدر المختار مع رد المحتار:۲/۴۹۳)

تراویح کے جواز اور استحباب کا وقت:

حنفیہ کے راجح قول کے مطابق تراویح کا وقت عشا کی نماز پڑھنے کے بعد شروع ہو جاتا ہے اور اس کا آخری وقت طلوعِ فجر تک ہے۔عشا کی سنتوں کی طرح تراویح بھی عشا کی نماز کی تابع ہیں، لہٰذا عشا کی نماز سے پہلے تراویح ادا کرنا درست نہیں، اگرچہ عشا کا وقت داخل ہو۔جہاں تک وتر کی بات ہے تو تراویح کی نماز پر اس کی تقدیم وتاخیر کا کوئی اثر نہیں، لہٰذا اگر عشا کی نماز پڑھنے کے بعد کسی شخص سے تراویح کی بعض یا تمام رکعتیں فوت ہو گئیں اور اس دوران امام وتر کے لیے کھڑا ہو گیا تو وہ امام کے ساتھ وتر پڑھ کر جماعت کا ثواب حاصل کر لے اور بعد میں رہ جانے والی تراویح پڑھ لے۔عام حالات میں وتر کو تراویح سے مؤخر کرنا افضل ہے۔

ایک تہائی شب یا نصف شب سے کچھ پہلے تک تراویح مؤخر کرنا مستحب ہے۔نصف شب سے مؤخر کرنا بھی بلا کراہت درست ہے، اس لیے کہ تراویح ''صلاۃ اللیل'' میں سے ہے اور اس میں تاخیر افضل ہے،

بشرطیکہ فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو۔(بدائع:۲/۲۷۵،الدر المختار:۲/۴۹۳۔۴۹۵،مراقی الفلاح:۳۳۶)

تراویح کی جماعت کاحکم:

تراویح باجماعت پڑھنے کو علامہ مرغینانیؒ نے سنتِ عین قرار دیا ہے، یعنی ہر شخص کے لیے باجماعت پڑھنا مستقل سنت ہے، تاہم علامہ حصکفیؒ، شامیؒ، عالمگیری اور صدر الشہید وغیرہ نے تراویح کی جماعت کو سنت کفائی قرار دیا ہے، اس لیے کہ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعین سے تراویح کی نماز اکیلے پڑھنا بھی ثابت ہے۔

جماعت کے ساتھ پڑھنا اگرچہ افضل ہے، تاہم اگر کوئی شخص جماعت کے لیے حاضر نہ ہو سکے تو اس پر نہ تو کوئی ملامت ہے اور نہ ہی وہ تارکِ سنت کہلائے گا، البتہ اگر کوئی شخص لوگوں کی نظروں میں مقتدیٰ اور پیشوا کی حیثیت رکھتا ہو تو ایسے شخص کے لیے جماعت چھوڑنا مناسب نہیں۔اسی طرح اگر کسی جگہ کے تمام لوگ تراویح کی نماز اکیلے پڑھ لیں تو سنت چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے۔(الدر المختار مع رد المختار: ۲/۴۹۵،مراقی الفلاح:۳۳۵،۳۳۶،ہندیہ:۱/۱۱۶)

تراویح کی نماز کو گھر میں با جماعت پڑھنے کاحکم:

جن نمازوں میں جماعت کو سنت قرار دیا گیا ہے، ان سب کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ ان کو مسجد کے اندر باجماعت ادا کر لیا جائے۔اگر کوئی شخص ان کو گھر میں باجماعت ادا کرلے تو جماعت کی فضیلت تو مل جائے گی، لیکن مسجد کے اندر جماعت پڑھنے سے جو فضیلتیں مل رہی تھیں، مثلاً: تکثیر جماعت، اعتکاف کا ثواب، مسجد کی فضیلت، شعائر اسلام کا برملا اظہار اور لوگوں کو ترغیب دلانے کے ثواب سے محروم رہ جائے گا۔(حوالہ بالا)

نمازِ تراویح کی سنتیں:

(۱)جماعت کے ساتھ ادا کرنا (۲)مسجد میں ادا کرنا

(۳)ادا کرتے وقت تراویح، قیامِ رمضان یا سنتِ وقت کی نیت کرے۔صرف نماز یا نفل کا ارادہ کافی نہیں، کیونکہ یہ ایک مستقل نماز ہے۔تمام بیس رکعت کے لیے ایک بار نیت بھی کافی ہے، اس لیے کہ تمام رکعات ایک ہی نماز کے درجے میں ہیں۔(بدائع الصنائع:۲/۲۷۵،۲۷۶،فتاوی قاضی خان:۱/۲۳۶،۲۳۷)

(۴)ہر رکعت میں دس آیات پڑھی جائیں، کیونکہ پورے ماہ میں کل چھ سو رکعت تراویح ادا کی جاتی ہیں اور آیاتِ قرآنی چھ ہزار سے کچھ زیادہ ہیں تو اس طرح بہ سہولت پورے ماہ میں ایک ختم ہو سکے گا۔علامہ کاسانیؒ

فرماتے ہیں کہ امام مقتدیوں کے شوق ورغبت کو دیکھ کر قرأت کرے، اس لیے کہ مقتدیوں کی رعایت رکھنے سے تکثیرِ جماعت کا فائدہ حاصل ہوگا۔شیخین کے ہاں تمام رکعتوں میں برابر برابر تلاوت کرنا افضل ہے جب کہ امام محمدؒ کے ہاں پہلی رکعت میں نسبتاً زیادہ تلاوت افضل ہے۔تمام ترویحات میں برابر تلاوت کرنا بھی افضل ہے۔

(۵) ہر دو رکعتوں کو الگ الگ سلام کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔(بدائع الصنائع:۲/ ۲۷۶، ۲۷۷)

(۶) اگر دو امام ہوں تو مستحب یہ ہے کہ ایک امام ایک ترویحہ، یعنی چار رکعت مکمل کر کے دوسرے امام کو موقع دے۔ایک امام کے لیے فرض پڑھانا اور دوسرے کے لیے تراویح پڑھانا بلا کراہت جائز ہے۔حضرت عمرؓ اور اُبَی بن کعبؓ کی عام عادت ایسی ہی تھی۔(بدائع الصنائع:۲/ ۲۷۸، ہندیہ:۱/ ۱۱۶)

(۷) تراویح کو کھڑے ہو کر ادا کرنا سنت ہے۔بلا عذر بیٹھ کر ادا کرنا جائز ہے، البتہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔

(۸) امام ہر چار رکعات کے بعد ان چار رکعات کے بقدر آرام کرے، جس میں تسبیح وتہلیل، درود شریف اور تنہا نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔اہل مکہ ہر ترویحہ کے درمیان مکمل طواف کرتے تھے، جبکہ اہلِ مدینہ ہر ترویحہ میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے تھے، لہٰذا اہلِ مدینہ کے ہاں تراویح کی بیس رکعات ان چار ترویحات کی وجہ سے ۳۶ تک پہنچ جاتی تھیں۔امام مالکؒ اسی کے قائل ہیں۔(بدائع الصنائع:۲/ ۲۷۸، قاضی خان:۱/ ۲۳۵)

چند متفرق مسائل:

(۱) نابالغ بچے کی امامت تراویح میں ناجائز ہے۔اگرچہ عقل مند اور باشعور ہو۔(ہندیہ:۱/ ۱۱۶، ۱۱۷)

(۲) تراویح فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہیں کی جائے گی۔(بدائع الصنائع:۲/ ۲۷۸)

(۳) رمضان میں وتر بھی جماعت کے ساتھ پڑھنا گھر میں تنہا پڑھنے سے افضل ہے۔(ہندیہ:۱/ ۱۱۷)

(۴) تراویح میں ایک مرتبہ ختم کرنا سنت ہے، لہٰذا قوم کی سستی کی وجہ سے اس کو چھوڑنا مناسب نہیں۔بعض مشائخ نے اس بات کو زیادہ بہتر سمجھا ہے کہ ستائیس رمضان کو قرآن مجید ختم کر دیا جائے۔اسی کے پیشِ نظر انہوں نے اپنے مصاحف ۵۴۰ رکوع پر تقسیم کر لیے تھے۔(ہندیہ:۱/ ۱۱۷، ۱۱۸، مراقی الفلاح:۳۳۷)

(۵) اگر تمام لوگ عشا کی نماز با جماعت نہ پڑھ سکیں تو ان کے لیے تراویح میں جماعت کرنا درست نہیں، تاہم اگر کوئی ایک شخص تنہا فرض کی جماعت سے رہ جائے تو وہ فرض نماز تنہا ادا کرنے کے بعد با جماعت تراویح میں شریک ہو جائے۔(الدر المختار مع رد المحتار:۲/ ۴۹۹)

تحقیقی مقالات ومضامین)

نبی کریم ﷺ بطور سپہ سالار

(تیسری قسط)

مفتی محمد فہیم اللہ (مدیر ماہنامہ ندائے حسن)

سپہ سالار اور فوج کی باہم محبت اور ہردلعزیزی :

آپ ﷺ کی بطور سپہ سالار ایک بڑی نمایاں خوبی یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ ہزار مرتبہ اپنی جان آپ ﷺ پر قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی اپنے صحابہ کرام ﷺ کے بارے میں حد درجہ شفیق اور غمگسار تھے۔

آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کو کتنے محبوب تھے اور آپ ﷺ پر اپنی جان کیسے نچھاور کرنا پسند فرماتے تھے؟ اس بارے میں سیکڑوں واقعات ہیں، جن میں سے کافی سارے واقعات آپ نے کتب سیرت میں دیکھے اور سنے ہوں گے۔ ہم یہاں صرف ایک ہی واقعہ ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے، جس میں ایک کافر سردار (عروہ بن مسعود ثقفی) قریش کو مخاطب کر کے صحابہ کی محبت اور جان نثاری کا تذکرہ کر رہا ہے۔ واللہ! کیا نقشہ کھینچا ہے اس آدمی نے صحابہؓ کی محبت کا۔ آپ بھی وہی الفاظ ملاحظہ فرمائیں جو کتب حدیث وسیرت میں موجود ہیں:

نبی کریم ﷺ سے صحابہ کی محبت :

فرجع عروة إلى أصحابه، فقال : أي قوم ! والله لقد وفدت على الملوك ؛ وفدتُ على قيصر وكسرى والنجاشي، والله إن رأيت ملكا قط يعظمه أصحابه ما يعظم أصحاب محمد محمدا. والله! إن تنخّم نخامة إلا وقعت في كفّ رجل منهم فدلك بها وجهه وجلده، وإذا أمرهم ابتدروا أمره، وإذا توضأ كادوا يقتتلون على وضوءه، وإذا تكلّموا خفضوا أصواتهم عنده، وما يحدون إليه النظر تعظيما له، وإنه قد عرض عليكم خطة رشد فاقبلوه.(دلائل النبوة للبيهقي ، رقم:١٤٤٢، مسند أحمد ، رقم :١٨١٦٦)

ترجمہ: (صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ طویل مذاکرات اور بحث مباحثہ کے بعد) عروہ بن مسعود ثقفی اپنے دوستوں (اہل مکہ) کے پاس واپس لوٹے اور اپنی ملاقات کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے کہنے لگے: اللہ کی قسم: یقیناً میں کئی بادشاہوں کے پاس وفد لے کر گیا، میں قیصر (روم کے شہنشاہ)، کسریٰ (ایران کے شہنشاہ) اور نجاشی (حبشہ کے بادشاہ) کے پاس وفد لے کر حاضر ہوا۔ میں نے ان بادشاہوں کے دربار دیکھے۔ اللہ کی قسم! میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا، جس کے دوست اور مصاحبین اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں، جتنے محمد کے صحابہ محمد کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر محمد تھوکنا چاہے تو اس کی تھوک زمین پر پڑنے سے پہلے کسی صحابی کے ہاتھ میں جا پہنچتی ہے، جسے وہ جلدی جلدی اپنے چہرے اور بدن پر مَل لیتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا حکم دیتا ہے تو ہر ایک اس کی تعمیل کے لیے ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب وہ وضو کرتا ہے تو وضو کے استعمال شدہ پانی کو لینے کے لیے لڑ پڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ جب وہ آپ ﷺ کی موجودگی میں باتیں کرتے ہیں تو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں اور کوئی بھی آپ ﷺ کی عظمت کی وجہ سے آپ کی طرف آنکھ اُٹھا کر (آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) دیکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اور بیشک اس (محمد ﷺ) نے تمہاری طرف ہدایت کا پیغام بھیجا ہے، لہذا میرا مشورہ یہ ہے کہ اسے قبول کرلو۔

اپنے سپاہیوں اور صحابہ کرامؓ سے آپ ﷺ کی محبت:

اب ہم عنوان کے دوسرے پہلو (یعنی آپ ﷺ کو اپنے صحابہؓ کتنے عزیز تھے اور آپ اپنی امت پر کتنے شفیق تھے) سے متعلق کچھ بحث کریں گے۔

اس بارے میں یہ آیت ملاحظہ فرمائیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی چار نمایاں خوبیاں بیان فرمائی ہیں، جن سے اپنی اُمت کی محبت اور شفقت کا اندازہ ہوسکتا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (التوبۃ: ۱۲۸)

ترجمہ: یقیناً تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں، جوتمہاری جنس سے ہیں، جن کو تمہاری مشقت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جوتمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، جوایمان والوں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور بڑے مہربان ہیں۔

آپ ﷺ کی یہ شفقت اور رحمت میدانِ جنگ تک محدود نہ تھی، بلکہ آپ ﷺ اپنی اُمت کی دُنیوی اور اُخروی منفعت کے خواہش مند تھے اوران کا جہنم میں جانا اُن پر بہت بھاری تھا،اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:''میں تمہیں تمہاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر (جنت کی طرف) کھینچتا ہوں ،لیکن تم مجھ سے دامن چھڑا کر زبردستی نارِجہنم میں داخل ہوتے ہو''۔

إِنَّـمـا مَثَـلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ استوقَدَ نارًا فَلَمَّا أَضاءَ تْ مَا حولَهُ جَعَلَ الفَرَاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا فَجَعَلَ يَنْزِعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَقْتَحِمْنَ فِيهَا فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُم عَنِ النَّارِ وَهُم يَقتَحِمُونَ فِيهَا.(صحيح بخارى، كتاب الرقاق،باب الانتهاء من المعاصي)

دورانِ جہاد اپنے سپاہیوں سے محبت کے چند واقعات :

(۱) غزوۂ حنین کے موقع پر جب دونوں لشکر اپنی جگہوں میں خیمہ زن ہوگئے تورسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کوکون فلاں پہاڑی کے اوپر پہرہ دے گا؟ حضرت انس بن ابی مرثد غنویؓ نے عرض کیا کہ میں یہ ذمہ داری نبھاؤں گا۔آپ ﷺ نے چند ہدایات دے کر رخصت فرمایا۔رات گزر گئی تو آپ ﷺ نے فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعدکئی مرتبہ پوچھا:'' **هل أحسستم فارسكم** ''کیاتم لوگوں نے اپنے شہسوار بھائی کونہیں دیکھا؟صحابہ عرض کرتے کہ ہمیں کوئی اطلاع نہیں ۔اس دوران نماز کے لیے اقامت ہوئی اورآپ ﷺ نے نماز پڑھانا شروع کیا،لیکن دورانِ نماز مسلسل اُس پہاڑی کی جانب (جوقبلہ کی طرف تھی)نظر اٹھاتے تھے،پھر جیسے ہی نماز ختم فرمائی توفرمانے لگے:تم سب کے لیے خوشخبری ہو،تمہاراشہسوار آگیا۔ہم درختوں کے درمیان دیکھنے لگے کہ اچانک وہ نمودار ہوئے اورآپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔آپ ﷺ انتہائی خوش ہوئے اوران سے رات کے احوال سن کرانہیں جنت کی بشارت دی۔(سنن ابی داؤد،باب فی فضل الحرث فی سبیل اللہ)

جناب رسول اللہ ﷺ اپنے پہرے دار سپاہی کے لیے اتنے پریشان تھے کہ نماز جیسی عبادت میں بھی اُن کی فکرستارہی تھی۔پھراس صحابی کی واپسی پر اتنی خوشی ظاہر فرمائی کہ تمام صحابہ کومتوجہ کرکے خوشخبری دی۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک سریہ (لشکر) میں بھیجا۔ دشمن سے مقابلے میں ہم شکست کھا گئے اور بمشکل جان بچا کر واپس آئے۔ خود کو شکست خوردہ اور مجرم سمجھ کر چھپکے سے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے اور رات کے آخری پہر رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارکہ کے باہر انتظار کرنے لگے۔ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو ہم سامنے آئے اور اپنی کمزوری کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم فرار ہونے (بھاگنے) والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **لابل انتم العکارون.** ہرگز نہیں۔ تم بھاگنے والے نہیں، بلکہ اپنے سپہ سالار کے پاس حاضر ہو کر دوبارہ حملہ کرنے والے ہو۔ میں مسلمانوں کے لیے چھاؤنی اور ہیڈ کوارٹر ہوں اور چھاؤنی میں پناہ لینے والے بھاگنے والے نہیں ہوتے۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہماری ساری شرمندگی ختم ہوئی اور ہم نے آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں کو چوم لیا۔ (سنن ابی داؤد، رقم: ۲۶۴۸)

ملاحظہ فرمائیں کہ جنگ میں شکست کھانے والے دستے کو نبی کریم ﷺ نے کتنا حوصلہ اور کتنی محبت دی۔ نہ ان کو شکست کا طعنہ دیا، نہ ڈانٹا اور نہ حوصلہ شکنی فرمائی۔

(۳) جہاد کے دوران کمزوروں کا سہارا بنتے:

آپ ﷺ دیگر سپہ سالاروں کی طرح بہادروں کی جھرمٹ میں چھپنے کی کوشش نہیں فرماتے تھے، بلکہ کمزور لوگوں کا سہارا بنتے تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيرِ فَيُزجِي الضَّعِيفَ وَيُرْدِفُ وَيَدْعُو لَهُمْ. (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في لزوم الساقة، رقم: ٢٦٣٩)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لشکر (قافلے) میں پیچھے چلتے تھے (لشکر کے پچھلے حصہ کو ساقہ یا خلف کہتے ہیں)، پس کمزوروں کو اپنے ساتھ ہانکتے اور ان کو اپنے ساتھ سواری پر سوار فرماتے اور ان (کی دلجوئی کے لیے) ان کے لیے دعا فرماتے۔

عَنْ أبي الدرداءِ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يقولُ: اُبْغُونِي الضُّعَفَاءَ فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَاءِكُم. (سنن ابي داؤد، باب فی الانتصار برذل الخيل والضعفة)

ترجمہ:ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے : مجھے کمزورلوگوں میں تلاش کرلیا کریں یا میرے لیے کمزورلوگ تلاش کر کے لے آئیں۔ بیشک تمہارے ضعیف لوگوں کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جاتا ہےاور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔

(۴)غزوۂ تبوک میں رہ جانے والے صحابہؓ سے قطع تعلق کے باوجود قلبی محبت:

غزوۂ تبوک رسول اللہ ﷺ کے دور میں سب سے سخت جہادی سفر تھا۔ یہ سفر نہ صرف یہ کہ سخت گرمی میں ہوا، بلکہ صحابہؓ نے اپنی (کھجوروانگور کی) تیار فصلیں بھی چھوڑ دیں۔اس سفر سے بچنے کے لیے منافقین نے مختلف بہانے بنائے اور پیچھے رہ گئے، مگر تین صحابہ کرام (کعب بن مالکؓ، ہلال بن امیہؓ اور مرارۃ بن ربیعؓ) بلا کسی عذر کے رہ گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے سفر کے دوران کئی مرتبہ ان کے بارے میں پوچھا۔سفر سے واپسی پران کے بارے میں سورۃ توبہ کی آیات نازل ہوئیں اوران سے مقاطعہ (قطع تعلق یعنی سوشل بائیکاٹ) کیا گیا۔اس مقاطعہ کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کو مسجد آنے سے منع نہیں کیا، بلکہ کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میری بے خیالی میں مجھے دیکھتے بھی تھے،البتہ جب میں آپ ﷺ کی طرف دیکھتا تو آپ چہرۂ انور پھیر دیتے تھے۔ پچاس دن مقاطعے کے بعد جب میری توبہ قبول ہوئی اور میں آپ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوا تو خوشی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا اوراپنی مبارک زبان سے مجھے بشارت سنائی۔(صحیح البخاری،باب حدیث کعب بن مالک،رقم:۴۰۶۶)

(۵) بیئرمعونہ کے شہداء پر آپ ﷺ کا مسلسل غم اور قاتلوں کے لیے بددعا:

بئیرمعونہ کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے دَور کا وہ دردناک واقعہ ہے،جس نے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کو کئی مہینوں تک زخمی کردیا تھا۔ یہ واقعہ اس اعتبار سے بھی دردناک تھا کہ ابھی غزوۂ احد کے ستر یا چوہتر شہداء کا غم تازہ ہی تھا کہ ساڑے چار ماہ بعد (صفر۴ھ میں) عامر بن طفیل اور قبیلہ رعل وذکوان اور عصیہ نے مزید ستر (۷۰) ایسے صحابہؓ کو شہید کردیا،جن کو رسول اللہ ﷺ نے اُن کے علم وفضل اور بہترین قراءت کی وجہ سے ''ابوبراء عامر بن مالک'' کے کہنے اور ضامن بننے پر اہل نجد کے پاس بطور معلمین ومبلغین بھیجا تھا۔ عرب روایات کے بالکل برعکس بدبخت عامر بن طفیل نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو بھی شہید کرڈالا اور ناخبری میں دیگر صحابہ کو بھی قبیلہ رعل وذکوان وغیرہ کی مدد سے شہید کردیا۔ نبی کریم ﷺ کو جب واقعہ کی اطلاع ملی

تو حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی پر اتنا زیادہ غمزدہ اور افسردہ نہیں دیکھا تھا، جتنا آپ ﷺ بیر معونہ کے شہداء پر افسردہ تھے۔اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلسل ایک ماہ تک فجر کی نماز میں قبیلہ رعل، ذکوان، لحیان اور عصیہ وغیرہ کا باقاعدہ نام لے کر ان کی تباہی وبربادی کے لیے قنوت نازلہ پڑھی۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

ما رأیت رسول اللہ ﷺ وجد علی أحد ما وجد علی أصحاب بئر معونة. و دعا رسول اللہ ﷺ علی الذین قتلوا أصحاب بئر معونة ثلاثین صباحا یدعو علی رعل ولحیان وعصیة عصت اللہ ورسولہ۔(عیون الاثر،قصة بئرمعونة:۲/۲۱)

(۶) صلح حدیبیہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بطور قاصد قریش مکہ کے پاس بھیجا اور وہاں سے یہ اطلاع ملی کہ حضرت عثمانؓ شہید کردیے گئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کو درخت کے نیچے جمع فرما کر حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لیے اُن سے بیعت لی۔اپنے ایک سپاہی کے خون کے بدلے اپنی جانوں کو قربان کرنے والی اس غیرت مندانہ بیعت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی رضامندی کی سند عطا فرمائی۔(سورۃ الفتح)

جنگی مہمات میں سپاہیوں یعنی صحابہ کرام سے مشورہ:

آپ ﷺ باوجودیکہ براہِ راست اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحی سے فیض یافتہ تھے،لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ مکمل طور پر اس آیت کے مصداق تھے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾(آل عمران:۱۵۹)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے دور چلے جاتے۔پس ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔

آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ کسی بھی جہاد یا اہم معاملے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ ضرور فرماتے۔کبھی مطلق العنان بننے کو پسند نہیں فرمایا۔غزوۂ بدر میں مناسب میدانِ جنگ کے لیے مشورہ،فتح کے بعد جنگی قیدیوں کے بارے میں مشورہ،غزوۂ احد کے لیے مدینہ منورہ کے اندر یا باہر لڑنے کے لیے مشورہ،غزوۂ احزاب میں

صحابہ کے مشورے سے خندق کھودنا، غزوۂ حنین وطائف میں صحابہؓ کے کہنے پر قلعۂ طائف کا محاصرہ ختم کرنا وغیرہ ایسی مثالیں ہیں، جن سے خوب واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی نظر میں اپنے صحابہ کی رائے کی کتنی قدر رہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابو ہریرہؓ کثرت سے یہ بات فرماتے ہیں:

مَا رَأَيتُ أَحَدًا قَطُّ كَانَ أَكثَرَ مَشُورَةً لِأَصحَابِهِ مِن رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ .(مسند أحمد، رقم:١٨١٦٦)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے ساتھیوں سے بہت زیادہ مشورہ کرنے والا ہو۔

جنگی حکمتِ عملی خفیہ رکھنے کا اصول:

البتہ آپ ﷺ مشورہ لینے میں یہ خیال ضرور فرماتے کہ جنگی حکمتِ عملی دشمن پر ظاہر نہ ہو جائے۔اس کی سب سے بڑی مثال حاطب بن ابی بلتعہؓ (بدری صحابی) کی ہے، جنہوں نے فتح مکہ کے لیے لشکر روانہ ہونے سے پہلے قریش مکہ کو خط لکھا اور آپ ﷺ کی چڑھائی کی اطلاع دے کر اُن پر احسان کرنے کی کوشش کی۔ اس خط میں اگر چہ قریش کو مرعوب کرنے اور سرنڈر ہونے کی بات تھی اور بدلے میں اپنے خاندان (جو مکہ مکرمہ میں موجود تھا) کا تحفظ مقصود تھا، لیکن آپ ﷺ جیسے محتاط اور اصولوں کے پکے سپہ سالار کے لیے یہ بات بھی نا قابل برداشت تھی، لہذا حضرت علیؓ اور مقدادؓ کو اُس عورت کے پیچھے بھیج دیا اور وہ خط برآمد کروالیا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جگہ غزوہ کا اِرادہ فرماتے تو (اس جگہ کی بجائے) کسی دوسری جگہ کے بارے میں خفیہ بات چیت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جنگ تو بس ایک چال ہی کا نام ہے۔

كانَ إذا أرادَ غَزوَةً وَرَّى غيرَها وكان يقول: الحربُ خَدعَةٌ . (سنن أبي داؤد،باب المكرفي الحرب)

یعنی جس جگہ کا اِرادہ ہوتا تھا، وہاں سے متعلق بات چیت کرنے سے گریز فرماتے تھے، تاکہ دشمن کے جاسوس سمجھ نہ جائیں اور ان کا دھیان بٹھک جائے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی تائید اور غیبی نصرت کے باوجود آپ ﷺ حکمتِ عملی کے بارے میں انتہائی محتاط تھے۔ (جاری ہے۔۔۔۔۔)

﴿بیاناتِ جمعہ﴾

آپ ﷺ کے حقوق اور ایک گستاخ عیسائی کا واقعہ

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

الحمد لله وحده والصلوٰة والسلام على من لا نبي بعده ، أما بعد! فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم ، بسم الله الرحمن الرحيم ، قال الله تبارك وتعالىٰ : ﴿لعنهم اللّٰه في الدنيا والآخرة﴾ وقال النبي ﷺ : "من سبَّ نبيًّا فاقتلوه". (الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ ،الباب الاول ، الفصل الثاني)

اُمابعد!

سامعین محترم! نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں، جن کے کچھ حقوق ہیں ہم پر، اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:

آپ ﷺ کے حقوق :

(۱)...... پہلا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لایا جائے اور یہ سب سے اہم اور بنیادی حق ہے، کیونکہ جو آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتا یا آپ ﷺ کو خاتم النبیین نہیں مانتا تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

(۲)......دوسرا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ سے محبت کی جائے۔

(۳)......تیسرا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے۔

(۴)...... چوتھا حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کی نصرت کی جائے۔

(۵)...... پانچواں حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم وتکریم کی جائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ادب واحترام فرض ہے، جو اس کا خیال نہیں رکھتا، وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ تو تنقیص اور سبّ وشتم (برا بھلا کہنا) اسلام سے خارج کردینے والی اشیا میں سے ہیں۔

واقعہ :

صحابہ کرام میں اتنا ادب واحترام تھا کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ثابت بن قیس ابن شماسؓ نامی صحابی کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَاتَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ﴾(الحجرات: ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ اُس کو بلند آواز سے پکارو، جس طرح تم ایک دوسرے کو (بلند آواز سے) بلاتے ہو، اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں علم تک نہ ہو۔

تو یہ صحابی (ثابت بن قیسؓ) پہلے حضورﷺ کی مجلس میں بیٹھتے تھے، لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو گھر میں روکے رکھا۔ تو آپﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے اس کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ سعد بن معاذؓ نے عرض کیا: وہ تو میرا پڑوسی ہے، لیکن مجھے پتہ نہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ اس کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ حضرت ثابت بن قیسؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ حضورﷺ آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ تو حضرت ثابت بن قیسؓ نے فرمایا: جب سے یہ آیت نازل ہوئی...... کہ تم نبیﷺ کے سامنے بلند آواز سے باتیں نہ کرو...... تو چونکہ میری آواز بلند ہے، میں جب بولتا ہوں تو زور سے بولتا ہوں، اب جب میں نبیﷺ کے سامنے بات کروں گا تو ظاہر ہے کہ میری آواز بلند ہوگی اور اس کی وجہ سے میرے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ تو حضرت ثابت بن قیسؓ انتہائی ادب واحترام اور خوفِ خدا کی وجہ سے آپﷺ کی مجلس میں نہیں آتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اعمال ضائع ہو جائیں اور میں جہنمی بنوں۔ حضرت سعد بن معاذؓ آپﷺ کے پاس آئے اور پورا واقعہ سنایا۔ آپﷺ نے فرمایا:

"هو من أهل الجنة".

''کہ وہ تو جنتی ہے''۔ تو یہ ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کا تقاضا تھا کہ ایک صحابی آواز کے بلند ہو جانے کے خوف سے مجلس میں نہیں آتے تھے۔ اس وجہ سے علما نے لکھا ہے کہ جب آپﷺ کی احادیث بیان کی جارہی ہوں تو اس وقت بھی بلند آواز سے باتیں نہ کریں، بلکہ خاموشی سے حدیث سنیں۔

دوسرا وقعہ :

ایک مرتبہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو بعض صحابہ کرامؓ اِدھر اُدھر دیواروں اور دروازے کے پاس کھڑے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مسجد آ رہے تھے، ابھی وہ راستے میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ''! تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ راستے ہی میں بیٹھ گئے۔ جب خطبہ ختم ہوا تو آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور کہا کہ میں نے تو آپ کو نہیں کہا تھا کہ بیٹھ جاؤ۔ تو عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی آواز جب عبداللہ بن مسعودؓ کے کانوں میں آئی کہ ''بیٹھ جاؤ'' تو عبداللہ بن مسعودؓ کی کیا مجال تھی کہ وہ ایک قدم بھی آگے بڑھاتے۔ یہ ادب واحترام اور تعظیم کا ایک نمونہ ہے۔

تو حضور ﷺ کے حقوق میں سے ایک بڑا حق یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم کی جائے۔ آپ ﷺ کا نامِ نامی ادب واحترام سے لیا جائے، جب آپ ﷺ کا نام آئے تو درود شریف یعنی ''صلی اللہ علیہ وسلم'' پڑھا جائے، اس لیے کہ گستاخی کا ادنی پہلو بھی اسلام سے خارج ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔

آج کل جو واقعات پیش آتے ہیں کہ کبھی ایک نبوت کا دعوی کرتا ہے تو کبھی دوسرا نبوت کا دعوی کرتا ہے، حالانکہ یہ آپ ﷺ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے واضح الفاظ میں بتایا ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾(الاحزاب: ٤٠)

ترجمہ: نہیں ہے محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

تو جو نبوت کا دعوی کرے، وہ گستاخ اور واجب القتل ہے۔ حاکمِ وقت کی ذمہ داری ہے کہ اُسے سولی پر لٹکائے۔ علامہ ابن تیمیہ نے ''الصارم المسلول علی شاتم الرسول'' میں گستاخِ رسول کے واجب القتل ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

تیسرا واقعہ : کتا بھی گستاخ رسول کو برداشت نہ کرسکا :

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ایک کتے کا ذکر کیا ہے کہ ایک دن عیسائیوں کے بڑے پادریوں کی ایک جماعت منگولوں کی ایک تقریب میں شرکت کے لیے روانہ ہوئی، جو ایک منگول شہزادے کی عیسائیت قبول

کرنے پر منعقد کی گئی تھی۔اس تقریب میں ایک عیسائی مبلغ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی،قریب ہی منگولوں کا شکاری کتابندھا ہوا تھا جو پادری کی گستاخی بکنے پر بے قابو ہوگیا۔زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا گویا کہہ رہا ہے کہ اے غلیظ پادری! رسول اللہ ﷺ کی شان میں بک بک نہ کر،اورزنجیر تڑوا کر پادری کو کاٹنے کے لیے اچھلنے لگا اور زوردار جھٹکا دے کر زنجیر توڑ ڈالی اور اس بدبخت گستاخ پادری پر ٹوٹ پڑا،لوگوں نے آگے بڑھ کر اس کتے کو قابو کر کے پھر باندھ دیا۔

تقریب میں موجود بعض لوگوں نے کہا:''خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلاف تمہاری گفتگو کی وجہ سے یہ کتا بپھر کر بے قابو ہوا ہے۔''اس گستاخ پادری نے کہا:''ایسا بالکل نہیں، بلکہ یہ غیرت مند کتا ہے، جب اس نے بات چیت کے دوران مجھے دیکھا کہ میں بار بار اس کی طرف ہاتھ اُٹھا رہا ہوں،تو اس نے سمجھا کہ میں اس کو مارنے کے لیے ہاتھ اُٹھا رہا ہوں،جبھی اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔''یہ کہہ کر اس ملعون پادری نے محبوبِ خدا کی شان میں پھر گستاخانہ باتیں کیں۔اس بار کتے نے وہی عمل دہرایا اور زنجیر تڑوا کر بڑی تیزی سے اس ملعون پر چھلانگ لگائی اور اپنے نوکیلے دانت اس گستاخ پادری کی شہ رگ میں گاڑ دیے اور شہ رگ کو چیر کے رکھ دیا،گستاخ پادری وہیں تڑپ تڑپ کر جہنم واصل ہوا۔

اس منظر کو دیکھ کر منگول شہزادہ اپنے ہمراہ آئے ہوئے 40000 (چالیس ہزار) منگولوں کے ساتھ اسلام قبول کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا۔(الدرر الکامنہ:۳/۲۰۳)

اسی طرح علامہ ذہبی نے اپنی کتاب ''معجم الشیوخ''میں بھی اس واقعے کا ذکر کیا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ ناموسِ رسالت کا معاملہ اتنا حساس ہے کہ ایک شکاری کتا بھی گستاخی برداشت نہ کر سکا۔

چوتھا واقعہ :

سنن اَبی داؤد اور نسائی میں ہے کہ ایک باندی کو کسی نے قتل کیا تھا۔صحابہ کرام آپ ﷺ کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا: جس پر میرا حق ہے،میں اُسے قسم دیتا ہوں کہ جس نے اس باندی کو مارا ہے،وہ خود کھڑا ہو جائے۔''ایک صحابی جس کا نام عمیر بن عدیؓ ہے،کھڑے ہوگئے اور کہا کہ یارسول اللہ! اس کو میں نے قتل کیا ہے اور کہا کہ یارسول اللہ! یہ میری باندی تھی اور اس سے میرے دو بچے بھی ہیں،لیکن یہ آپ کی شان میں گستاخی کرتی تھی۔تورات کو اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی،میں نے چھرا لے کر اس کے

پیٹ میں گھونپا اور اسے قتل کیا۔ تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم گواہ رہو کہ اس صحابی کا خون معاف ہے اور جس نے دنیا میں جنتی کو دیکھنا ہو تو وہ اس نابینا صحابی کو دیکھ لے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ آپ ﷺ کے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی تعظیم و توقیر کی جائے اور اس کے ساتھ محبت کی جائے۔

اسی طرح آپ ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں، اس کی نصرت کرنا بھی آپ ﷺ کا حق ہے۔ بخاری شریف کی ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"لَا یُؤمِنُ اَحدُکم حتی أکون أَحَبَّ اِلیه من والده وولده والناس أجمعین".

ترجمہ: تم میں سے کوئی اُس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا، جب تک میں اسے محبوب نہ ہو جاؤں اپنے والدین سے، اپنی اولاد سے اور تمام لوگوں سے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ جب بھی کوئی مسئلہ پیش آئے تو اس کے بارے میں اپنے علما سے رابطہ رکھا کریں، کیونکہ یہ لبرل قسم کا جو طبقہ ہے، انہوں نے بڑے بڑے مذہبی سکالر پالے ہوئے ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ ناموس صحابہ پر بھی حملے کرتے ہیں اور ناموس رسالت پر بھی۔ یہ ہمارے دین اور شریعت کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کا یہ نظریہ ہے کہ **"الصحابة کلهم عدول"** (تمام کے تمام صحابہ عادل یعنی حق وانصاف پر ہیں)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے ایمان کو معیار قرار دے کر فرمایا ہے:

﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (البقرة : ۱۳۷)

یعنی اگر اس طرح ایمان لاؤ جس طرح صحابہ کرام ایمان لائے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کے جو بنیادی حقوق ہیں، ان میں سے ایک آپ ﷺ پر ایمان لانا، آپ کی تعظیم و تکریم کرنا، آپ سے محبت کرنا اور آپ کے لائے ہوئے دین کی مدد و نصرت کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

☆☆☆

﴿بیاناتِ جمعہ﴾

منافق کی نشانیاں

مفتی غلام اللہ صاحب

امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد! فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم، قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ﴾(الحج: ۳۰)

وقال النبیﷺ: آية المنافق ثلاث إذا حدّث كذب وإذا وعد أخلف وإذا ائتمن خان وإن صام وصلى وزعم أنه مسلم."(صحيح مسلم)

اللہ رب العزت کی حمد وثنا کے بعد جو کچھ آپ کے سامنے پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمھید:

گزشتہ جمعہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت آپ کے سامنے نقل کی تھی کہ آپﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں۔منافق کی تفصیل گزشتہ جمعہ آپ کو بتائی تھی کہ منافق کی دو قسمیں ہیں:

منافق کی قسمیں:

(۱)عقیدہ کے اعتبار سے (۲)عمل کے اعتبار سے

پھلی قسم:

عقیدے کے اعتبار سے جو منافق ہوتا ہے، وہ کافر ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ﴾(البقرة:۱۳)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لے آؤ جیسے دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسے بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ﴾(البقرة:۱۴)

ترجمہ: اور جب یہ لوگ مسلمانوں کی مجلس میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے ساتھ ہیں اور جب یہ اپنے شیطانوں (سرداروں) کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

تو مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں اللہ تعالی نے اُن منافقین کا ذکر کیا ہے، جو عقیدے کے اعتبار سے منافق تھے، جن کے دلوں میں ایمان نہیں ہوتا، بلکہ وہ صرف زبان سے کلمہ توحید کا اظہار کرتے تھے۔ منافق کی یہی قسم آپ ﷺ کے زمانے کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ اس زمانے میں وحی کا سلسلہ جاری تھا تو آپ ﷺ کو بتایا جاتا تھا کہ فلاں شخص منافق (کافر) ہے۔

دوسری قسم:

منافق کی دوسری قسم وہ ہے جو عمل کے اعتبار سے منافق ہو۔ جیسا کہ حدیث میں اس کی تین نشانیاں بتائی گئی ہیں: (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے۔

(۲) جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

(۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ روزے بھی رکھتا ہو، نماز بھی پڑھتا ہو اور یہ گمان بھی کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں، لیکن اس کے اعمال منافقوں والے ہیں۔

مقصد:

گزشتہ جمعہ آپ حضرات کے سامنے منافق کی اقسام پر کچھ نہ کچھ بات ہوئی تھی۔ آج میں منافقِ عملی کی ایک نشانی (جھوٹ بولنا) آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔

جھوٹ:

منافق کی ایک نشانی یہ ہے کہ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولتا ہے۔

معزز سامعین کرام! جھوٹ ایک سنگین جرم ہے۔ جھوٹ کے معنی ہیں: ''خلافِ واقع بات کرنا''۔

آج معاشرے میں جھوٹ کا رواج بن چکا ہے۔ لوگ اس حد تک گئے ہیں کہ انسانوں کی جانوں سے کھیلتے ہیں، کتنے نام نہاد ڈاکٹر ہیں، جنہوں نے جھوٹی ڈگری حاصل کی ہوئی ہے۔ کتنے لوگ ہیں، جو جعلی میڈیکل سرٹیفکیٹ اور کیریکٹر سرٹیفکیٹ بناتے ہیں۔ مختلف قسم کے دستاویزات پر جھوٹے دستخط کیے جاتے

ہیں۔کاروبار میں بھی جھوٹ بولنے کا عام رواج ہے،مثال کے طور پر اگر ایک چیز سو روپے کی خریدی ہے تو کہتے ہیں کہ دوسو روپے کی خریدی ہے اوراس پر قسم بھی اُٹھاتے ہیں۔اسی وجہ سے ہم روز بروز نئے نئے مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔جب تک ہم خود ٹھیک نہ ہوجائیں ،اُس وقت تک یہی حالات ہمارے سروں پر منڈلاتے رہیں گے۔جھوٹ اتنا سنگین جرم ہے کہ ابتداءِ اسلام میں مشرکین بھی جھوٹ بولنے سے کتراتے تھے۔

واقعہ :

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے روم کے بادشاہ ہرقل کو خط لکھا،اس خط میں لکھا ہوا تھا:

"سَلامٌ علی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ، أَسْلِمْ تَسْلِمْ ".(بخاري)

جب یہ خط ہرقل کے پاس آیا تو چونکہ خط عربی میں تھا اوران کو عربی سمجھ میں نہیں آتی تھی تواس نے کہا کہ عربی زبان جاننے والے کسی شخص کو تلاش کریں،تو اتفاقاً حضرت ابوسفیانؓ (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے) تجارتی قافلہ لے کر وہاں گئے ہوئے تھے۔تو ترجمانی کے لیے ابوسفیانؓ کو لایا گیا۔ہرقل نے ابوسفیانؓ سے آپ ﷺ کے متعلق کچھ سوالات پوچھے:(۱)اس شخص (محمد ﷺ) کا خاندان تم لوگوں میں کیسا ہے؟ابوسفیان نے جواب دیا کہ وہ تو بڑے اونچے اور عالی نسب والے ہیں۔(۲) دوسرا سوال یہ پوچھا کہ بڑے لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی یا کمزوروں نے ؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں ، بلکہ کمزوروں نے اس کی تابعداری کی ۔ چنانچہ ابوسفیانؓ نے دونوں جوابات بالکل درست اور سچ کہے۔ابوسفیان کا قول ہے کہ اللہ کی قسم !اگر مجھے یہ غیرت نہ آتی کہ یہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں گے تو میں ضرور آپ ﷺ کی نسبت غلط گوئی سے کام لیتا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ جھوٹ ایسا قبیح اور سنگین جرم ہے کہ مشرکین بھی جھوٹ نہیں بولتے تھے کہ اس کی وجہ سے ان کی عزت اور وقعت میں کمی آتی تھی۔

روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ بھی خوش طبعی فرماتے تھے،لیکن اس میں جھوٹ کی آمیزش نہیں ہوتی تھی۔چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا:

"يارسول الله ! إنك تُداعِبُنا ؟ قال : إني لا أقول إلا حقاً". (الترمذي)

ترجمہ:صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں (مزاح میں بھی) سچ کے سوا کچھ نہیں کہتا"۔

اب اپنی حالت کو بھی دیکھ لیں کہ ہم مزاح میں کتنا جھوٹ بول لیتے ہیں۔ یہ جو کامیڈین ہوتے ہیں، لوگوں کو ہنسانے کی خاطر کتنے جھوٹ تراشتے ہیں۔ پھر ہمارے ملک میں ان کی حوصلہ افزائی کے لیے انہیں ایوارڈز دیے جاتے ہیں، حالانکہ ساری عمر جھوٹ اِن کا اُوڑھنا بچھونا ہوتا ہے۔

واقعہ :

آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، حتی کہ مزاح میں بھی جھوٹ کا ارتکاب نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے سواری کے لیے جانور مانگا۔ آپ ﷺ نے (مزاحاً) فرمایا: میں تجھے اُونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔ اُس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اُونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اُونٹنیاں ہی تو اُونٹ پیدا کرتی ہیں (لہذا ہر اُونٹ اُونٹنی کا بچہ ہوا)۔ (ترمذی)

ایک بوڑھی عورت آپ ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ یارسول اللہ! دعا کیجیے کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ وہ عورت پریشان ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بڑھاپے کی حالت میں نہیں جائیں گی، بلکہ جوان ہو کر جائیں گی۔

دیکھیں! یہاں پر بھی آپ ﷺ نے کوئی جھوٹ نہیں بولا، بلکہ حقیقت کے مطابق بات فرمائی ہے۔

ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ ایک عورت نے ایک بچے کو اپنے پاس بلانا چاہا، لیکن وہ اس کے پاس نہ آرہا تھا تو بچے کو بلانے کے لیے اُس عورت نے بچے سے کہا کہ آجاؤ، میں تمہیں کھجور دوں گی۔ تو آپ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا کہ واقعی کھجوریں دینے کا ارادہ تھا؟ تو اس عورت نے کہا کہ ہاں یارسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آپ کے پاس کھجوریں نہ ہوتیں اور بہلانے کے لیے بلاتی تو آپ کا نام جھوٹوں کی فہرست میں لکھ دیا جاتا۔

فقہاء کرام نے بڑی صراحت سے جھوٹ کی مذمت کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح کیا ہے، مگر چند ایسے حالات بھی بیان کیے ہیں، جن میں توریہ کے طور پر جھوٹ بولنے (یعنی کسی لفظ سے اس کا بعید معنیٰ مراد لینے) کی گنجائش کو بیان کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب ہجرت کے وقت مشرکین مکہ نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو آپ ﷺ کو گرفتار کر کے لائے گا، اس کو سو اُونٹ بطورِ انعام دیے جائیں گے تو چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے تو ایک آدمی آیا اور ابوبکر صدیقؓ سے

آپ ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو ابوبکر صدیقؓ نے سوچا کہ اگر صاف صاف کہوں تو نبی کریم ﷺ گرفتار کیے جائیں گے اور جھوٹ بھی نہیں بول سکتا۔ تو اچانک اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں بات ڈال دی اور فرمایا: "**هـذا رجل يهد يني السبيل**" (یہ آدمی مجھے راستہ دکھاتا ہے یعنی یہ میرا رہنما ہے)۔ پس اس شخص نے اس سے عام راستہ مراد لیا، جبکہ ابوبکر صدیقؓ نے اس سے دین کا راستہ مراد لیا۔ تو جو اللہ والے ہوتے ہیں، سچ بولتے ہیں اور جھوٹ سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرما دیتے ہیں اور ان کو جھوٹ سے بچانے کے لیے کوئی راستہ فراہم کر دیتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کا جھوٹ سے پرہیز:

ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے دوران حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خلاف گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے تھے، چاروں طرف پولیس تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ انہی دنوں آپ چھتہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ وہاں پولیس پہنچ گئی، اتفاقاً آپ مسجد کے اندر اکیلے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام سن کر ذہنوں میں تصور آتا تھا کہ آپ بہت بڑے عالم ہیں تو آپ شاندار قسم کا لباس اور جبہ قبہ پہنے ہوں گے، وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ تو ہر وقت ایک معمولی لنگی اور معمولی کرتہ پہنے ہوتے تھے۔ جب پولیس اندر داخل ہوئی تو یہ سمجھے کہ یہ مسجد کا کوئی خادم ہے۔ چنانچہ پولیس نے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کہاں ہیں؟ آپ فوراً اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور ایک قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے اور اس کے ذریعے ان کو یہ تاثر دیا کہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں، لیکن زبان سے یہ جھوٹا کلمہ نہیں نکالا کہ یہاں نہیں ہیں۔ چنانچہ پولیس واپس چلی گئی۔ تو اس طرح ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مدد۔ (اصلاحی خطبات: ۱۵۲/۳)

خلاصۂ کلام:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جھوٹ سے پرہیز کرو۔ جھوٹ سنگین جرم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ اگرچہ وہ نماز بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے اور یہ گمان بھی کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں، پھر بھی وہ منافق ہے۔ یعنی ایسا شخص عملاً منافق کہلائے گا۔ (صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دارالافتاء

مفتی حمید اللہ جان

0333-9133080

اپنے مسائل کا جواب پوچھنے کے لیے آپ ماہنامہ ندائے حسن کے ڈاک پتے یا ای میل پر سوال بھیج سکتے ہیں۔
سوال پوچھنے میں یہ خیال رکھیں کہ وہ مفید اور قابل اشاعت ہونے کے ساتھ ساتھ مسلکی طور پر اختلافی نہ ہو۔

سنتِ مؤکدہ کو شروع کرنے کے بعد توڑ دینا

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کنز الدقائق کی عبارت ہے: "لزم النفل بالشروع" "نفل شروع کر کے توڑ دے تو اس کی قضا لازم ہے"۔ پوچھنا یہ ہے کہ کوئی سنت مؤکدہ شروع کر کے توڑ دے تو کیا اس کی بھی قضا لازم ہوگی؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق:

فرائض اور واجبات کے علاوہ تمام نمازوں پر نفل کا اطلاق ہوتا ہے، پس جس طرح نفل شروع کرنے کی وجہ سے ان کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، اسی طرح سنن مؤکدہ کا بھی یہی حکم ہے، یعنی ان نمازوں کو شروع کرنے کے بعد کسی بھی وجہ سے توڑ دیا گیا تو ان کی قضا واجب ہوگی۔

والدلیل علی ذلک:

"وإذاشرع في التطوع يلزمه المضي فيه وإذا أفسده يلزمه القضاء".(١)

ترجمہ: نفل نماز شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کر دینا لازم ہو جاتا ہے، اور اگر درمیان میں نماز کو

توڑدے تواس کی قضالازم ہوجاتی ہے۔

(۱) بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰۃ،فصل في صلوٰۃ التطوع هل يلزم بالشروع:٢/٥،مكتبه رشيدية كوئٹه

”وكذا الجواب في السنن الراتبة ،أنه لايجب بالشروع فيها إلا الركعتين حتىٰ لو قطعها قضىٰ ركعتين في ظاهر الرواية عن أصحابنا،لأنه نفل وعلى رواية أبي يوسف قضىٰ أربعاًفي كل موضع يقضي في الطوع أربعاً،ومن المتأخرين من مشائخنا: اختار قول أبي يو سف فيما يؤدي من الأربع بتسليمة واحدة وهو الأربع قبل الظهر ،وقال:لوقطعهايقضي أربعاً“.(٢)

ترجمہ:اوریہی حکم سنن مؤکدہ کابھی ہے،اس لیے کہ سنن مؤکدہ شروع کرنے سےصرف دو رکعات واجب ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ اگر نماز کو درمیان میں توڑ دیا تو جمہور کے قول کے مطابق دو رکعات کی قضا کرے گا،اس لیے کہ یہ نفل ہے،لیکن امام ابو یوسفؒ کےقول کےمطابق سنن مؤکدہ میں ہر ایسے موقع پر چار رکعات کی قضا کرے گا، جہاں پرنفلوں میں چار رکعات کی قضا کرنا پڑتا ہے۔اور متأخرین مشائخ نے امام ابو یوسفؒ کےقول کوایسے چاررکعات والی سنن مؤکدہ میں اختیار کیا ہے جوایک سلام کےساتھ ادا کی جاتی ہے اوروہ ظہر سے پہلے کی چاررکعات والی نماز ہے۔اگراس کوتوڑدیا تو چاررکعات کی قضا کرے گا۔

(٢) بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰۃ،،بيان مقدار مايلزم منه بالشروع:٢/٨،مكتبه رشيدية كوئٹه

۞۞۞

رحمت للعالمین ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُصَلِّیَ عَلَیْهِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا هُوَ اَهْلُهٗ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ عَلٰی جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِی الاَجْسَادِ وَصَلِّ عَلٰی قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ.

جمعرات اور جمعہ کو جوشخص یہ درود شریف ستر (۷۰) مرتبہ پڑھا کرے تو اُسے یقیناً آنحضرت ﷺ کی زیارت نصیب ہوگی۔(ذریعۃ الوصول:۱۷۲)

2023\Ishtihar Page 55.jpg not found.

2023\Ishtehar page 56.jpg not found.